رسالہ

تقویم اللسان

مولفہ

خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ فیلو الہ آباد یونیورسٹی

سنہ ۱۸۹۳

عیسوی

مطبع شمس المطابع دہلی میں باہتمام منشی محمد عطاء اللہ مطبوع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکثر زبانیں ایسی ہیں کہ جنمیں سے ہر ایک میں ایسا علم موجود ہے کہ وہ عالم کے سینہ میں نہیں ہوتا۔ زبان گنوار سے گنوار کی
ہے زیادہ دانشور نہیں ہوتی بلکہ ان عالموں سے بھی زیادہ دانشمند ہوتی ہے جو اسے بولتے ہیں۔ زبانکا حال برکا سا ہوتا ہے
کہ جسکے چاروں طرف حقائق محققہ کی لمعات برقی چمکتے ہیں۔ زبان کا حال ممی کا سا ہوتا ہے کہ جیسے ممی مردوں کی لاشوں کو
مدتوں تک برقرار رکھتی ہے ایسے ہی زبان قدیم علم و دانائی کو سلامت رکھتی ہے گو اسکے پہچاننے والے تھوڑے ہی ہوں۔
زبان کا حال فوسل کا سا ہے جیسے فوسل میں نباتات و حیوانات متحجر ہو کے اپنی صنعت کو دکھلاتے ہیں ایسی زبان میں علم و دانش
ایک نئی رنگ کی صورت بناکے اپنا جمال دکھاتے ہیں بعض دفعہ زبان ان حقائق صادقہ کو مقفل کرکے رکھہ چھوڑتی ہے جو کسی
پہلے زمانہ میں سب کو معلوم تھیں مگر زمانہ کی انقلابات و حادثات نے انکو نظر سے غائب کرکے فراموش کرا دیا تھا اُسکی سرزمین میں وہ
تخم چھپے ہوئے پڑے ہیں کہ جو سوا عارفان الٰہی کے کسی کو صاف نظر نہیں آتے۔ زبان کی استعارات و مجاز جو روحانی حقائق
ہادی ہوتے ہیں اپنی جڑ میں بہت نیچے ایسے خیالات بلند کو دبائے ہوئے ہیں کہ جنکی کاوش میں حکیم عاجز اور عارف متحیر
دانائی کی شعاعیں جو افق کے نیچے ہوتی ہیں انکو غور کرنے والوں کو زبان اسطرح دکھا دیتی ہے جیسے کہ وہ شعاعیں آسمان
سے اتری ہیں۔ زبان ان ہزاروں بیش بہا اور نازک خیالات کے لمعات محفوظ و برقرار رکھتی ہے جو ذہانت کی
الکٹرسٹی سے نکلکر بجلی کی طرح چمک کر غائب ہونے والے تھے۔ زبان ہی عقلی خزانے ایک نسل سے
دوسری نسل میں صحیح پہنچاتی ہے پس جب زبان میں خوبیاں ہیں تو جو خیرخواہ ملک اپنے ملک میں تہذیب و تعلیم کی اشاعت
کا شوق دل سے رکھتا ہے اسکا یہ فرض ہے کہ وہ سب سے اول اپنی مادری زبان کو جو سب سے زیادہ محبت و توجہ کی مستحق ہے
مہذب و شائستہ بنائے۔ زمانہ جیسا اور سب چیزوں کے پیچھے خرابی و فساد لگاتا ہے ایسا ہی ہماری زبان کے پیچھے بھی۔ پس ہم کو
لازم ہے کہ ان خرابیوں سے اسکا پیچھا چھڑائیں اسکو ساری آلائشوں سے پاک صاف کریں بے عیب و نقص اسکو بنانے
کسی تاریکی کو اسکے پاس نہ آنے دیں۔ ہماری زبان جسکو مسلمان اردو اور گورنمنٹ ہندوستانی کہتی ہے عجب کشمکش میں
پڑ رہی ہے۔ زبان میں دو چیزیں ہیں ایک الفاظ دوسرے خیالات۔ الفاظ بیشمار اسمیں غیر زبانوں کے موجود ہیں اور مخلوط ہوتے
جاتے ہیں آرین زبانوں میں سے اکثر زبانوں کے الفاظ اسمیں موجود ہیں جو خود اور انکے اشتقاق دقت میں ڈالتے ہیں۔ خیالات
مشرقی و مغربی اسمیں اپنی ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں پس ان دونوں مشکلوں کے دور کرنیکے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے جسکی بسم اللہ ابجد
یہ رسالہ ہے اور آگے اور سبق تیار کر رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ جب کتاب پوری ہوجائیگی تو ہماری زبان کی
مشکلات آسان کرنے کی راہ معلوم ہوجائے گی فقط

ذکاء اللہ۔ ۲۴۔ اپریل ۱۸۹۳ع

باب اوّل

انسان اور اُسکی زبان

(۱) انسان کے نام جنسے وہ ممیز از حیوان ہوتا ہے +

انسان کے جو حالات ایسے ہیں کہ وہ اوس کو کل حیوانات پر شرف دیتے ہیں اُنپر حکماء زمانے نظر کرکے انسان کے نام ایسے بہت سے رکھے ہیں جن سے اس کی تعریف ہوتی ہے تفصیل اُسکی یہ ہے انسان کا ایک نام مذہبی حیوان رکھا گیا ہے ۔ جن حیوانوں سے ہم ابتک واقف ہوئے ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں دیکھا کہ مذہب کا خیال رکھتا ہو ۔ کوئی جماعت اُسکی عبادت الٰہی کے لئے جمع ہوتی ہو ۔ وہ انعامات الٰہی کا شکریہ بجا لاتی ہو ۔ اپنی ہستی کو سمجھتی ہو کہ وہ عطیہ ایزدی ہے ۔ وہ اعمال کی بازپرس کو جانتی ہو کہ نیک اعمال کی جزا اور بد افعال کی سزا ملے گی ۔ غرض نہ کسی حیوان کو جزا کی اُمید ہے نہ سزا کا خوف ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُنکی طبیعت میں ایسی باتیں ضرور ہوتی ہیں کہ جو انسان کے اخلاق میں داخل ہیں ۔ وہ اپنی اولاد سے محبت رکھتے ہیں ۔ انسان کی طرح وہ ہوا و ہوس و حرص و حب جاہ کی بلاؤں میں مبتلا نہیں ہوتے ۔ انسان سے زیادہ انھیں قناعت ہوتی ہے ۔ مگر جو نیکیاں و برائیاں انھیں ہیں وہ فطرتی ہیں اکتسابی نہیں اسلئے ان پر اخلاق کا اطلاق اس طرح نہیں ہو سکتا جیسا کہ انسان کی برائیوں اور نیکیوں پر +

ایک نام انسان کا پولٹکل حیوان یعنی سیاست مدن کا عالم رکھا گیا ہے ۔ کوئی حیوان ایسا نہیں کہ سیاست مدن کی اصول سے واقف ہو ۔ وہ تقسیم محنت کے فوائد سے آگاہ ہو ۔ ہر حیوان

اپنی غذا آپ بہم پہونچاتا ہے - اپنا گھونسلا آپ بناتا ہے - اپنا ہر ایک کام آپ کرتا ہے - اُسکی کوئی فرد یا جماعت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے فرد یا جماعت کے لیئے کام کرتی ہو اور اُسکو فائدہ پہونچاتی ہو - ایک کی محنت سے دوسرا استفادہ کرتا ہو نہ انمیں مقنن ہوتے ہیں نہ منصف نہ مجسٹریٹ کہ اُنکے جھگڑے چکایا کریں چند مستثنے صورتیں ہیں کہ حیوانات بھی اپنی تمدنی حالت کو اور ایک سلطنت کی صورت کو جیسی کہ شہد کی مکھیاں ہیں دکھاتی ہیں - اِن میں یہ قانون جاری ہے کہ مادہ سلطنت کیا کرے +

ایک اور نام انسان کا حیوان طباخ رکھا گیا ہے اسلیئے کہ یہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ خوراک کو پکاکے کھاتا ہے - اور حیوان خواہ وہ گوشت خوار ہوں یا نباتات کھاتے ہوں جیسی اُنکو خوراک ملتی ہے ویسی ہی وہ نوشجان کرتے ہیں - پکانے کا جھگڑا ساتھ نہیں رکھتے پرندے کیڑوں کو یونہیں کھا لیتے ہیں اور باتیں ہیں نہ بھونتے ہیں نہ کباب بناتے ہیں - یہ تو حضرت انسان ہی ہیں کہ اکثر اپنی خوراک پہلے کھانے سے پکاتے ہیں - کچھ تھوڑے ہی سے میوے ایسے ہیں جن کو کچا تناول فرماتے ہیں جو حال کھانے کا ہے وہی پینے کا ہے کہ حیوان تو صرف پانی پیتے ہیں یہ حضرت پانی کے سوا شربت پکاکے اور شراب و عرق بھبکیوں میں کھچواکے پیتے ہیں غرض ان حضرت کے سوا کسی حیوان نے اپنے پیچھے چولھے بھاڑ کا جھگڑا نہیں لگایا اور اپنی آتش اشتہا کو آگ سے نہیں بجھایا +

انسان کا ایک اور نام حیوان آلہ ساز بھی رکھا گیا ہے سارے حیوانات اپنے کل کام انہیں قدرتی آلات سے سرانجام دیتے ہیں جو خدا نے انکو دیئے ہیں - دیکھو کہ وہ اپنی غذا بہم پہنچاتے ہیں اور اپنا مسکن بناتے ہیں کسی مصنوعی اوزار کے محتاج نہیں - مگر اس کلمے نے آلات اور کلیں بنائی ہیں جنکو وہ کام میں لاکر اپنے تئیں محنت سے بچاتا ہے اور نہایت خوش اسلوبی سے بہت جلد بآسانی کام بناتا ہے اگر وہ یہ نہ کرتا تو اسکو بڑی محنت شاقہ اٹھانی پڑتی - اگر ہل نہ بناتا تو زمین کے کریدنے میں اُنگلیوں کا کچومر نکالتا +

ایک اور نام آدمی کا حیوان اسلحہ ساز رکھا گیا ہے - فقط یہی حضرت اپنے دشمنوں سے ہتیار بناکے لڑتے ہیں اور سب جانور تو اپنے دشمنوں سے انھیں قدرتی ہتیاروں سے لڑتے ہیں

جو خدا نے انکو دیئے ہیں جیسے کہ سینگ ۔ ناخن ۔ دانت ۔ پنجے ۔ زہر ۔ انہیں سے وہ اپنے دشمنوں پر وار کرتے ہیں ۔ مگر انسان نے اپنے قدرتی اسلحہ کے ساتھ مصنوعی اسلحہ کا اور اضافہ کیا ہے جنگلوں کو کاٹا ۔ کانوں کو کھودا ۔ لوہا نکالا ۔ اُن پر کیمیائی عملوں کو اور بڑھا کر اسلحہ جان ستان تیار کئے جن سے اپنے ابنائے جنس کو ایسی بیرحمی سے قتل کرتا ہے کہ کوئی اور نوع حیوان نہیں کرتی ۔ یہ نام اسکا شرمناک ہے ۔ کہتے ہیں کہ آج کل سائنس اور آرٹ جو صدہا طرح کے اسباب آسائش و راحت تیار کر رہے ہیں ۔ ان کے ساتھ آلات جان ستان بھی وہ غضب کے تیار کرتے ہیں جو انسان کے عیش و آرام کو تلخ کرتے ہیں ۔ جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک قسم کے بندر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ لکڑیاں اور درختوں کی شاخیں ہاتھوں میں لے کر ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو یہ تعریف انسان کی جھرجھری ہو گئی ہے ۔ انسان اسنے بھی خوش ہوا ہے کہ اگر یہ صفت پیدا بھی ہوئی ہے تو بندروں میں جو انسے اور حیوانوں کی نسبت میں قرابت قریبہ رکھتے ہیں ۔ انسان کا نام حیوان ضاحک یعنے ہنسنے والا رکھا گیا ہے کوئی حیوان اسکی طرح ہنسنے والا نہیں دیکھا گیا ۔ اس زمانہ کی تحقیقات نے ان سب تعریفوں کو جامع و مانع نہیں رکھا کہ وہ کل انسانوں پر صادق آئے ۔ اور کوئی فرد حیوان اسمیں داخل نہ ہونے پائے ۔ روز بروز سائنٹفک تحقیقات حیوان کے درجے کو بڑھاتی جاتی ہے یہانتک تو اسکی نوبت پہونچائی ہے کہ بندر ہی کو مہذب بنا کے انسان بنایا ہے ۔ اور اس کے سب باتوں کو جو اوپر بیان ہوئی ہیں ایسا اڑا دیا جیسا کہ گدہے کے سر سے سینگ مگر ایک تعریف ایسی ابتک باقی ہے جو محققین کے ہاتھ سے بچی ہوئی ہے ۔ اور یقین ہے کہ وہ ہمیشہ بچی رہے گی مگر آئندہ کی خدا کو خبر ہے وہ تعریف انسانکی حیوان ناطق ہے پس اسی کا مفصل بیان ہم پہلے کرتے ہیں

(۳) الفاظ ۔ کلمات ۔ زبان علی العموم

خدا تعالی نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے یعنی انسان کی سرشت میں یہ میلان رکھا ہے کہ وہ اور آدمیوں کے ساتھ مل جل کر رہے اسکے بغیر اسکا جینا دشوار ہے ۔ اسیلئے اوسکو ایک نعمت عظمی گویائی کی عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنی معلومات ذہنی اور مافی الضمیر کو آوازوں کے ذریعہ سے اوروں پر ظاہر کرے ۔ ان آوازوں کے نکالنے کے لئے جوارح عنایت فرمائے مگر وہ مخصوص انسان کے ساتھ

ہتھیں کیے۔ طوطے مینا اور اور پرندوں کو بھی عطا ہوئے ہیں کہ سیکھنے سے وہ انسان کی بولی کی
نقل اُتار سکتے ہیں مگر ان جانوروں کی بولی اور ہے اور نطق انسانی اور ہے۔ ع
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا +

(۳) تصور کے لئے الفاظ کا یا کلمات کا علامات عامہ بننا۔

چیزوں کی صورتیں جو ذہن میں پیدا ہوتی ہیں ان صورتوں کو تصور کہتے ہیں یعنی ہر ایک چیز کے لئے جو ایک خیال ذہن میں ہے وہی خیال اس چیز کا تصور ہے۔ جب ہم کسی چیز کا خیال کریں اسے جو کچھ ہمارے ذہن میں آئے وہ تصور ہے۔ اب اس تصور کی دو قسمیں ہیں ایک قسم اسکی یہ ہے کہ عقل اسمیں تعدد اور شرکت کو جائز نہ رکھے۔ مثلاً خاص شخصوں کا تصور زید عمر کا کعب زید کا تصور ذہن میں صورت پذیر ہوگا۔ اس کا مصداق ایک خاص شخص ہوگا جو زید کا مسمیٰ ہے اس قسم کے تصور کو تصور خاص یا جزئی کہتے ہیں اسکی دوسری قسم یہ ہے کہ اسمیں عقل تعدد اور شرکت کو جائز رکھتی ہے جیسے کہ مطلق انسان کا تصور جس میں سب زید عمر وغیرہ بہت اشخاص انسان پر صادق ہو سکتے ہیں اس قسم کے تصور کو عام یا کلی کہتے ہیں پس اس تصور کے لئے جو آواز علامت یا نشانی مقرر کی جاتی ہے اسکو لفظ کہتے ہیں علامت یا نشانی کے معنی تم جانتے ہو کہ یہ ہیں کہ اس سے وہی تصور پیدا ہو جو اصل اس شے سے پیدا ہوتا ہے جسکی وہ نشانی ہے۔ اب اگر ہر تصور جزئی کے لئے لفظ وضع کیا جاتا تو الفاظ نہایت کثیر التعداد ہوتے کہ اونکا انحصار و انضباط متعذر ہوتا اسلیے یہی زبان کے لئے مفید سمجھا گیا کہ کلی تصورکے ناموں کے لئے زیادہ تر الفاظ وضع کئے جائیں اور جزئی تصور کے لئے خاص الفاظ مقرر ہوں ایسی صورت میں آدمیوں کا باہم ہم کلام ہونا سہل ہوگا۔ اسلئے کلی تصور کے لئے عام نام رکھے گئے۔ اسکا بیان آگے مفصل آئیگا +

اشیا کے ہونے کا بھی اور نہ ہونے کا بھی تصور ہو سکتا ہے۔ پس جیسے کہ اشیا کے ہونے کے لئے الفاظ وضع کئے گئے ایسے ہی نہ ہونے کے لئے بھی جیسے لفظ جہل ہے کہ علم کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے +

مادی اشیاء خارجی کے تصور محسوسہ کے لئے جو الفاظ وضع ہوئے تھے انہیں کے معانی

ایسے وضع ہوگئے کہ وہ اشیاء باطنی غیر مادی پر دلالت کرنے لگے مثلاً عقل کے اصل معنی لغت میں پانوں میں بند باندھنے کے تھے۔ مگر اب وہ اس قوت پر دلالت کرتی ہے جو حقائق امور کو ادراک کرتی ہے اور علوم کی مدرک ہے اور وہ بھلائی اور نفع خیز چیز کی طرف خواہش دلاتی ہے اور شر و مضرت سے بچاتی ہے۔ یعنی جیسی پیروں کی بندش جانور کو چلنے نہیں دیتی تھی اسی طرح جو قوت طبیعت کو افعال ذمیمہ کی طرف نہیں چلنے دیتی۔ اسکا نام عقل رکھا گیا غرض وہی الفاظ کہ جو اشیاء یا اعیان خارجی پر دلالت کرتے تھے۔ اشیاء ذہنی پر دلالت کرنے لگے بعض محققین اس کلیہ کو نہیں مانتے اور بعض الفاظ ایسے پیش کرتے ہیں کہ کبھی اُنہوں نے اشیاء خارجی پر دلالت نہیں کی جیسا کہ لفظ جی ہے کہ اوسکا اطلاق کبھی کسی خارجی شی پر نہیں ہوا مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں ہوا

(۴) الفاظ کے معانی

انسان کے دل میں طرح طرح کے خیالات ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ جنسے وہ خود فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اوروں کو فائدہ پہونچا سکتا ہے مگر وہ اُس کے دل میں ایسے مخفی ہوتے ہیں کہ وہ اور ونکو نظر نہیں آتے نہ انمیں خود بخود ظاہر ہونے کی قابلیت ہے۔ پس اگر ایسے خیالات پردہ میں چھپے رہیں اور باہر نہ آئیں تو اجتماع انسانی عبث ہے ایک آدمی دوسرے آدمی سے فائدہ نہیں اوٹھا سکتا۔ آرام نہیں پا سکتا۔ اسلیے ضرورت پڑی کہ وہ اپنے تصورات و خیالات کے اظہار کے لئے علامات جو محسوس ہوں وضع کرے۔ اِس مطلب برآری کے لئے آواز سے بہتر کوئی شے اور انسان کو ہاتھ نہ لگی۔ آواز ہی ایسی شے ہے کہ جلدی سے ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس پہنچ جائے اور طرح طرح کی صورتیں بآسانی و بکثرت بنالے۔ پس یہ آوازیں جنکو الفاظ یا کلمات کہتے ہیں گویا قدرت ہی سے اس کام کے لئے موضوع و موزوں ہوئیں تھیں۔ مگر یہ یاد رکھو کہ الفاظ و معانی میں کوئی مناسبت طبعی نہیں ہے اگر دلالت لفظ باقتضاء ذات لفظ ہوتی تو قوموں و شہروں و ملکوں میں بانوں کا اختلاف نہ ہوتا۔ ہر شخص ہر لفظ کے ایک ہی معنی سمجھتا اور لفظ کے ایک معنی کی نقل دوسرے معانی کی طرف محال ہوتی اسواسطے کہ جب لفظ کے معنی بالذات ہوتے تو اسکا انفکاک محال تھا ساری دنیا کی ایک زبان ہوتی غرض ایم

انسان کے اختیار میں تھا کہ اپنے ہر تصور کی ظاہری نشانی اسنے کسی لفظ کو مقرر کر لیا پس الفاظ کا بولنا اپنے تصور کی محسوس نشانیاں دکھانا ہے اور ان الفاظ کے معانی وہی ہمارے تصور کہلاتے ہیں یعنی جو انکا مدلول ہمارے ذہن میں ہے۔

(۵) ہر شخص جو لفظ استعمال کرتا ہے وہ اپنے تصور کی ایک علامت محسوسہ دکھاتا ہے۔ ان الفاظ کا استعمال دو مقصدوں کے لئے وہ کرتا ہے کہ یا تو اپنے حافظہ کی اعانت کے لئے انکو لکھتا ہے یا اپنے تصور کو دوسرے پر ظاہر کرنے کے لئے بولتا ہے۔ یہ الفاظ اپنے ابتدائی معانی ساتھ لئے ہوئے ہوتے ہیں اور استعمال کرنے والے کے تصور کے قائم مقام ہونے کے سوا اور وہ کچھ اور کام نہیں کرتے جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے اپنی بات سمجھانے کے لئے بولتا ہے تو اس بات چیت کا مآل یہی ہوتا ہے کہ بولنے والے کے تصورات بذریعہ اصوات جو اسکے تصورات کی علامات ہیں سننے والے کو معلوم ہو جائیں بولنے والا اپنے تصورات کی نشانیاں بناتا ہے اپنے سے غیر تصورات کے لئے انکو نہیں بنا سکتا۔ یہ ایک بے معنی بات ہے کہ وہی نشانیاں جو اپنے تصور کے کام میں لاوے وہی غیر تصور کے کام میں لائے جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ تصور کے لئے نشانیاں بناتا بھی ہے اور نہیں بھی بناتا ہے۔ الفاظ تو اختیاری علامات ہیں بھلا جن چیزوں کو آدمی جانتا ہے نہیں انکے واسطے کیسے اپنے اختیار سے علامات بنا سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کے لئے جو ذہن میں موجود نہ ہوں الفاظ بنانے بے معنی آواز نکالنی ہے جب تک آدمی خود ذہن میں خیالات موجود نہ ہوں وہ دوسرے آدمی کے خیالات سے انکو مطابق نہیں کر سکتا۔ اور نہ انکے لئے کوئی علامت وضع کر سکتا ہے نامعلوم چیز کے لئے کوئی لفظ نہیں بنایا جاتا جب آدمی اور آدمیوں کے تصورات کو اپنے تصورات سے تعبیر کرتا ہے اور انکا ان ناموں کا رکھنا منظور کر لیتا ہے جو اوروں نے رکھا ہے تو یہ تصورات بھی اسکے اپنے وہی تصورات ہوتے ہیں جو اسکے ذہن میں موجود ہوتے ہیں نہ وہ جو معدوم ہوتے ہیں غرض زبان کے بولنے میں یہ امر لازمی ہے کہ ایک ہی الفاظ جاہل عالم۔ بچے۔ بڑے بولیں مگر معانی انکے جدا جدا اپنے تصورات ذہنی کے موافق ہوں۔ ایک بچے نے ایک دھات میں جسے سونا کہتے ہیں چمکتا ہوا سنہرا رنگ دیکھا سو وہ اپنے خیال کے موافق جس چیز کا چمکتا ہوا رنگ دیکھے گا اسے سونا کہدیگا مور کی دم میں یہ رنگ دیکھ کر اُسے بھی سونا کہدیگا

دوسرا آدمی جو اس بچے سے زیادہ یہ جانتا ہوگا کہ یہ دہات سوار چمکتے ہوئے سہرہ رنگ کے بہت بھاری بھی ہوتا ہے تو جب وہ سونے کا لفظ بولتا ہے تو اوسکے ذہن میں اسکا مفہوم وہ دہات ہوتا ہے کہ سنہرا اور بھاری ہو۔ تیسرا شخص اس سے زیادہ اگر واقف ہوگا کہ سونے میں گلنے پگھلنے کی بھی قابلیت ہوتی ہے سو وہ اپنے خیال کے موافق سونے کا لفظ بولیگا تو اوس کے ذہن میں اسکا مفہوم وہ دہات ہوگا جو سنہرا چمکتا ہوا رنگ اور بھاری اور پگھلنے والا ہوگا چوتھا شخص اسکے باریک ورق بننے کی قابلیت سے واقف ہوگا تو سونے کا مفہوم اسکے ذہن اور بڑھ جائیگا پس یہ چاروں شخص لفظ تو ایک سونے کا بولینگے مگر ہر ایک کے ذہن میں اُسکا مفہوم یا مدلول جُدا جُدا ہوگا +

(۷) الفاظ کا کچھہ اور بیان +

اول اگرچہ الفاظ کے معنی سوا، ان تصورات کے کچھہ اور نہیں ہوتے جو قائل کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ مگر بولنے والے یہ جانتے ہیں کہ ہمارے الفاظ اُن آدمیوں کے تصورات کی بھی نشانیاں ہیں جنکو ہم اپنی بات سمجھاتے ہیں اگر یہ نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ کہنے والا جو آوازیں اپنے تصورات کے لئے کام میں لاتا ہے وہ سننے والا اور تصورات کے لئے استعمال کرتا ہو تو یہ حالت ایسی ہوگی کہ گویا دو زبانیں بولی جاتی ہیں کہنے اور سننے والوں میں زیادہ تر لوگ یہ تو خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی زبان بولتے ہیں مگر اسپر توجہ نہیں کرتے کہ اُس زبان کے الفاظ کے معانی قائل اور سامع کے ذہنوں میں ایسے متفاوت ہیں کہ گویا وہ مختلف زبانیں بول رہے ہیں +

دوم انسان فقط اپنے خیالات ہی اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرتا ہی بلکہ اصل اشیاء کا بھی ذکر کرتا ہے جنکے لئے وہ الفاظ بناتا ہی۔

سوم جب آدمی مشق سے اپنے مفہومات ذہنی اور مافی الضمیر کے بیان کرنے پر قادر ہوجاتا ہے تو اوس کے ذہن میں الفاظ فوراً تصورات کی ایسی تحریک کرتے ہیں جیسے کہ اصل اشیاء جنسے وہ تصورات ہوئے تہے۔ ابھی مُنہ سے لفظ نکلا نہیں کہ اسکا اصل مدلول ذہن میں آ موجود ہوتا ہے +

چہارم جب ہم بولتے ہیں تو الفاظ کے معانی قریبہ وہی تصورات ہوتے ہیں جو ہمارے ذہن میں موجود ہوتے ہیں ہم کو بچپنے سے بہت سے الفاظ بولنے کی مشق ایسی چڑہی ہوئی ہوتی ہے

کہ وہ بے اختیار ہمارے زبان کی نوک پر آتے ہیں رہ ہمیشہ حافظہ میں موجود رہتے ہیں مگر انکے معانی کا امتحان کامل طور پر ہم نہیں کرتے۔ اپنے اس خیال کے بیان کرنے میں جسپر توجہ بھی ہوتی ہے ہم الفاظ کا لحاظ زیادہ تر بہ نسبت اشیاء کے کرتے ہیں بچپنے میں کیا بڑہنے میں کیا بہت سے الفاظ ایسے سیکھتے ہیں کہ جنکے معانی ہمارے ذہن میں موجود نہیں ہوتے انکو اسی طرح بولتے ہیں جیسے کہ طوطا مینا صرف الفاظ کی آواز سنتے ہیں معانی سے کچھ غرض نہیں الفاظ کا استعمال جب تک بامعانی ہوتا ہے تو آواز اور تصور میں ایک تعلق ہوتا ہے اور جب یہ نہ ہو تو الفاظ ایک آواز بے معنی ہوتے ہیں +

پنجم ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے تصورات کا اظہار جن الفاظ میں چاہے کرے مگر یہ امر اسکے اختیار سے باہر ہے کہ ان الفاظ سے دوسرے کے ذہن میں اپنے سے تصورات پیدا کردے۔ اسلیئے یہ کسی شخص کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ایک نیا لفظ اپنی طرف سے گھڑکر اپنی زبان میں داخل کردے اور اسکے معنی وہی اوروں کے ذہن میں پیدا کردے جو اسکے اپنی ذہن میں تھے۔ اگسٹس قیصر روم نے کہا تھا کہ گو میں دنیا پر حکمرانی کر رہا ہوں مگر مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک نیا لیٹن زبان کا لفظ بنا کے اپنی محکوم رعایا کی زبان میں ایسا داخل کردوں کہ سب اسکو بولنے اور سمجھنے لگیں پس جب تک کوئی شخص الفاظ کو انہیں معانی میں جو اسکے اور ہم زبان کے ذہن میں ہیں کام میں نہیں لائیگا زبان داں نہیں کہلائیگا +

(۷) الفاظ اکثر کلی ہوتے ہیں +

موجودات عالم میں ہر شے ایک خصوصیت رکھتی ہے۔ ہر فرد اسکی ایک جزئی ہے۔ ابتداء نظر میں یہ امر قرین عقل معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرد خاص یعنی ہر جزئی کے لیئے ایک لفظ ہو جسکے معنی سے خصوصیت جزئی مفہوم ہو مگر ہم اسکے بالکل برعکس حال دیکھتے ہیں کہ ہر زبان کے اندر الفاظ کلی ہوتے ہیں یہ امر کسی غفلت و اتفاق سے نہیں صادر ہوا۔ بلکہ ضرورت و عقل دونو اوس کے داعی ہوئے ہیں +

(۸) ہر خاص شے یعنی جزئی کا نام جدا جدا رکھنا ناممکن ہے +

اول اسلیئے کہ الفاظ کے معانی و استعمال اس تعلق پر موقوف ہیں جو تصورات اور ان آوازوں

میں جو ان کی علامات مقرر کی گئی ہیں۔ پس اس لئے ضرور ہے کہ جب اشیا کے خاص نام جُدا جُدا رکھے جائیں تو ان اشیا میں سے ہر ایک کا تصور بھی جُدا جُدا ذہن میں موجود ہوا اور پھر کُل نام بھی ذہن میں حاضر رہیں مگر یہ انسان کی قابلیتوں و قواء کی تاب و توان سے باہر ہے کہ وہ ہر شے کا تصور اور اس کے ساتھ اس کا خاص نام محفوظ رکھ سکے۔ بھلا یہ آدمی سے کب ہو سکتا ہے کہ وہ جس آدمی اور جس پرند کو دیکھے اور جو درخت و پودا اسکو نظر پڑے انہیں سے ہر ایک کو جُدا جُدا اپنے ذہن میں جگہہ دے۔ شاید بعض اس دلیل کی تردید میں ان جرنیلوں کی مثال لائیں کہ وہ اپنے لشکر کے ہر سپاہی کا نام جدا جُدا یاد رکھتے تھے۔ تو اسکے برخلاف یہ دلیل موجود ہے کہ کسی آدمی نے اپنے بھیڑوں کے ریوڑ میں ہر بھیڑ کا نام۔ کوّے جو سر پر اُڑتے ہیں انہیں سے ہر کوّے کا نام۔ درختوں کے پتوں میں سے ہر پتے کا نام۔ ریگستان کے ذروں میں سے ہر ذرّے کا نام جدا جدا رکھ کے یاد نہیں کیا۔

دوم۔ اگر یہ ممکن بھی ہو تو کوئی فائدہ اس سے مترتب نہیں ہوتا اسلئے کہ اگر آدمی نے جزئیات کا ایک انبار لگا لیا اور وہ دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے میں قاصر رہا تو جو زبان کا مقصد اعظم ہے اس میں خلل پڑا۔ آدمی جن ناموں کو سیکھتا ہے اور انکو بولنے میں کام میں لاتا ہے تو غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ اور لوگ انکو سمجھیں اور یہ سمجھنا جب ہوتا ہے کہ بولنے والا جو آوازیں اپنے مُنہ سے نکالے وہ سننے والے کے ذہن میں وہی تصور پیدا کریں جو اوس کے ذہن میں تھا۔ اب یہ بات اس صورت میں نہیں حاصل ہو سکتی کہ ہر خاص شے کے نام خاص رکھے جائیں۔ ان خاص اشیا کا تصور جو بولنے والے کے ذہن میں ہوگا اُنکے نام دوسرا شخص سُننے والا اس سبب سے نہیں سمجھے گا کہ وہ ان خاص اشیا کو جانتا نہیں جنکو بولنے والا جانتا ہے +

سوم مان لو کہ ایسا ہوتا ہے (گو کبھی ہوتا نہیں) تو ہر خاص شئے کا خاص نام جُدا جُدا رکھنا ترقی علم کا مانع ہوگا۔ گو علم خاص اشیا یعنی جزئیات پر مبنی ہوتا ہے مگر اسکی توسیع کلیات ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جزئیات کلیات میں تحویل ہو کر ایسے مختصر ہو جاتے ہیں کہ آدمی کا ذہن

انکا انضباط و انحصار اچھی طرح کر سکتا ہے - مگر یہہ بھی یاد رہے کہ انسان کلی نام رکھنے کا ایسا پابند نہیں ہوا کہ وہ جزئی نام رکھنے سے گریز و پرہیز کرے بلکہ وہ اپنے ابنائے جنس کے نام - شہروں - ملکوں - پہاڑوں - دریاؤں اور مقامات کے نام جدا جدا رکھتا ہے - جہاں اسکو جزئیات کے خاص ناموں کے رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہاں وہ رکھتا ہے

(۹) الفاظ عام یعنی کلی الفاظ کس طرح بنائے جاتے ہیں +

جب موجودات عالم میں ہر شے خاص ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ ایک جزئی ہوتی ہے تو اب یہ سوچنا چاہئے کہ ان جزئیات کے کلی نام کسطرح رکھے جاتے ہیں - یہہ کلی نام یا کلی الفاظ اسطرح بنتے ہیں کہ آدمی جب چند چیزیں اس طرح کی دیکھتا ہے کہ کوئی خاص صفت خاص حیثیت پائی جاتی ہے اور خاص اعتبار بلحاظ زمان - مکان - مقدار کے یکساں پایا جاتا ہے تو ان سب چیزوں کی نسبت عام خیال ہوتا ہے اور اس عام خیال کا نام عام رکھہ لیا جاتا ہے - مثلاً آدمی نے - زید - بکر - عمر کو دیکھا کہ ان میں دو ہاتھہ - دو پاؤں دو آنکھیں دو کان - ناک - منہ - یہ سب میں یکساں ہیں اور ایک ہی وضع کی مخلوق ہے تو ان سب کے واسطے ایک عام خیال پیدا کیا اور اس عام خیال کا نام انسان رکھہ لیا - اسطرح نام رکھنے کی عادت ہم کو بچپنے سے پڑتی ہے - بچہ جب تک اپنی ماں یا دایہ کا دودھ پیتا ہے تو خاص نام ان کے لیتا ہے - مگر جب وہ اپنے ماں باپوں اور اور شخصوں میں بہت سی چیزیں یکساں دیکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک عام خیال پیدا ہوتا ہے - اور اس عام خیال کے سبب سے وہ اور شخصوں کو اور ماں باپوں کو آدمی کہنے لگتا ہے +

چیزوں کی نسبت عام خیال پیدا کر لینے میں انسان نے اپنے ذہن کو اسقدر وسعت دے رکھی ہے کہ چند عام خیالات جمع کر کے وہ اور زیادہ تر عام خیال پیدا کرتا ہے مثلاً آدمی بھی ایک عام خیال ہے اور درخت بھی ایک عام خیال ہے جس میں املی - امرود - آم وغیرہ سب طرح کے درخت شامل ہیں اب آدمیوں اور درختوں میں دیکھا کہ نمو (بالیدگی) کے اعتبار سے یکساں ہیں تو ان دونوں کو ملا کر ایک اور زیادہ عام خیال پیدا کیا اور انکا نام

جسم نامی رکھا۔ بس اسی طرح خیال عام کی تعمیم کو ترقی دیکر عام نام رکھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ کل مادی اشیا کی نوبت جسم کے نام پر پہونچ جاتی ہے +

(۱۰) حکماء سلف میں یہہ مباحثہ بھی بڑی شدومد سے چلا آتا ہے کہ زبان عام ناموں سے یعنی کلیات سے پیدا ہوتی ہے یا خاص ناموں سے یعنی جزئیات سے ایک گروہ اونکا یہہ کہتا ہے کہ زبان کے وضع کرنے میں اول قدم یہہ ہے کہ خاص چیزوں کے نام خاص رکھے جائیں یعنی اسم بنائے جائیں جب دو وحشی کہ ایک دوسرے سے بعد عظیم پر رہتے ہوں اور کبھی انکو زبان نہ سکھائی گئی ہو وہ آپس میں مل کر رہیں تو وہ اپنی خاص آوازیں خاص چیزوں کے لئے مقرر کریں گے۔ جسے کہ وہ ایک دوسرے کی ضروریات کو سمجھہ سکیں۔ اور یہہ چیزیں وہ ہونگی کہ جن سے وہ زیادہ تر واقف ہونگے اور جن کے کہنے کا زیادہ موقع ہوتا ہوگا۔ ایک خاص گڑہا جس کے اندر بناؤ کے نیچے سوتے ہونگے۔ خاص درخت جسکے پھل سے پیٹ بہرتے ہونگے خاص چشمہ جسے وہ پیاس بجھاتے ہونگے۔ ان کے ناموں کے لئے وہ الفاظ گڑہا۔ درخت۔ چشمہ۔ وضع کرینگے۔ بعد ازاں جب انکا تجربہ بڑہتا جائے گا اور اونکو مجبوراً اور گڑہوں اور درختوں اور چشموں کا بیان کرنا پڑے گا تو انکی مشابہت اپنے پہلے گڑہے اور درخت و چشمہ کے ساتھہ دیکھہ کر حسب عادت اونکو بھی وہ گڑہا۔ درخت۔ چشمہ کہنے لگینگے۔ ان نئی چیزوں کا پرانی چیزوں کے ساتھہ مشابہ ہونا انکا نیا نام نہیں رکھنے دے گا۔ اس مشابہت کو دیکھہ کر ممکن نہیں کہ انکو پرانے نام نہ یاد آئیں۔ جب ان نئی چیزوں کا بتلانا منظور ہوگا تو وہ ان پرانی چیزوں کا نام لینگے جن سے کہ وہ نئی چیزیں مشابہت و اشتراک رکھتی ہیں۔ پس اس طرح سے جو کسی خاص چیز کا خاص نام تھا وہ عام نام ہوگیا یعنے اسم جزئی اسم کلی بن گیا۔ بچہ جو ابھی بولنا سیکھتا ہو ہر شخص کو آتا یا ابا کہے گا پس خاص نام جو مخصوص دو آدمیوں کے ساتھہ تھے وہ عام ہر شخص کے ساتھہ کرتا ہے۔ پس اس طرح سے آدمی ایک خاص چیز کے خاص نام کو ان چیزوں کے گروہ پر اطلاق کرے گا جسکی ہر فرد پہلی

فرد کے ساتھہ کسی بات میں اشتراک اور مشابہت رکھتی ہے۔ اس گروہ کی ہر فرد کے دیکھنے سے اسکے ذہن میں وہی تصور پیدا ہوتا ہے جو اس خاص فرد اول کے دیکھنے اور اوس کے نام سے پیدا ہوا تھا۔ نوع و جنس اسی طرح وضع ہوئی ہیں کہ جب آدمی اشیا کا ایک گروہ ایسا دیکھتا ہے کہ جنکی افراد میں مشابہت یا شرکت ہوتی ہے تو اوسکو بالطبع اوسی خاص فرد اول کا اور اسکے نام کا تصور ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ اِس کل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ موضوع عام ہوتا ہے اور موضوع لہ خاص۔ دوسرا گروہ اسکے مخالف یوں استدلال کرتا ہے کہ زبانوں کی بناوٹ میں اصل مقدم عام کلمات ہوتے ہیں بچے اور وہ شخص جو زبان کم جانتے ہیں سبب :: ہ بولتے ہیں تو اس وجہ سے کہ خاص ناموں سے یعنی اسم جزئی سے واقف نہیں ہوتے تمام کاموں میں اسم کلی کام میں لاتے ہیں جیسے کہ چیز۔ درخت۔ جانور بجائے اسکے کہ کسی چیز کا۔ کسی درخت کا۔ کسی جانور کا خاص اسم لیں پس جو خاص اسم ہیں وہ اصل میں اسم کلی تھے۔ تقریبًا کل الفاظ عام کلیے ہیں۔ کیونکہ یہ امر شاذ و نادر ہوتا ہے کہ آدمی کسی اسم کو ایجاد کرے اور اس کو بغیر دلیل کے اس کا یا اوس کا خاص نام بنا دے پس اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ خاص چیزوں کے جو نام ہیں وہ اِن کی نوع کے نام ہیں۔ یہ ایک بحث فلسفیانہ ہے جو نہ کبھی ختم ہوئی ہے نہ ہوگی نہ اِسکا فیصلہ آخری ہوگا۔ مگر اِس میں شک نہیں کہ پہلے کسی خاص گڑہے کا نام گڑہا۔ کسی خاص شہر کا نام شہر رکھا گیا ہوگا۔ اور اسی سبب سے سارے گڑہوں کا نام گڑہا اور سارے شہروں کا نام شہر رکھا گیا۔ اور اِن کے فرق پر کچھہ لحاظ نہیں کیا گیا +



باب دوم

زبان بھی ایک سائنس ہے

فصل اول بعض تمہیدی مسائل

(۱) انیسویں صدی

خدا جانے زمانہ کا آغاز کب سے ہوا ہے اور اس میں کیا کیا ہو چکا ہے وہ سب بھلا انسان کب جان سکتا ہے۔ سوا اس کے پچھلی ہو استر صدیوں کا حال بالتفصیل و بالتحقیق معلوم ہے اور ان صدیوں سے کچھ پہلے صدیوں کا حال بالاجمال معلوم ہو سکتا ہے تو ہو یا نہ ہو [illegible] باقی سارے زمانہ کا حال ایسی تاریکی میں چھپا ہوا ہے کہ عقل کی روشنی وہاں تک کام نہیں کرتی جن صدیوں کا حال معلوم ہے اُن میں یہ ہماری انیسویں صدی اپنے وہ کمالات عجیب و غریب اعجاز نما دکھا رہی ہے جو پہلے کسی صدی میں خواب و خیال میں بھی نہیں آتے تھے۔ اُس نے وہ معارف یقینیہ و علوم تحقیقیہ منکشف کئے کہ جنسے جہاں آفریں کی عظمت سطوت صانع عالم کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ ٹپکی پڑتی ہے اسنے نیچرل (فطرتی) ہی وہ سپر نیچرل (معجزی) دکھانے کے معجزات سے مستغنی کر دیا۔ نیچر کے اسرار کو عقل کی روشنی میں لا کر دکھا دیا۔ انسان کے دل کو وہ مشعر الٰہی و محل الہام ربانی بنایا کہ وہ معجزات سے بڑھ کر نفع خلائق کے کام کرنے لگا۔ یہ اسی صدی کا کام ہے کہ ادھر محققین حقیقت جو نے اپنی جانفشانی سے چیزوں کے راز سربستہ کو وا کیا ادھر علمائے عالم اور فضلائے ذوی الاحترام نے اپنی جانکاہی سے الفاظ کے مخفی خزانوں کو ظاہر کر دیا۔ ایک طرف یہ سحر سامانی ہے کہ سر کرکے ان پتھر و روڑوں میں جنکے اٹھانے میں اور [illegible] کنارہ پر پڑے ہیں ہم [illegible] بھی دل چراتا ہے انہیں ایک جیولوجسٹ یعنی محقق طبقات الارض [illegible] کی کیفیت دکھاتا ہے اور صدہا دلچسپ سبق علمی پڑھاتا ہے اور تاریخی [illegible] زمانہ دراز گذر گیا ہے اُنکا [illegible] روبرو لاتا ہے۔ دوسری طرف یہ تماشا حیرت خیز نظر آتا ہے [illegible] الفاظ کے [illegible] طلبہ [illegible] سے متعلق زبان [illegible] اٹھا کے ان کی [illegible]

تاریخوں کی صدہا جلدیں سنا رہا ہے۔ ایک لفظ میں مواعظ کے دفتر اور دوسرے لفظ میں معارف کے اسرار کھول رہا ہے۔ ہر لفظ کی پیدائش طفلی جوانی پیری۔ موت اسکے قائم مقام وارثوں کو بتلا رہا ہے۔ وہ سمجھا رہا ہے کہ سبحان اللہ زبان بھی کیا مقدس و پاک سرزمین ہے کہ جسمیں انسان کے خیالات کے ایسے زر و جواہر کے دفینے دفن ہیں کہ جن کی جوت سے آنکھوں کو چکا چوند لگتی ہے +

(۳) زبان کی تحقیقات کی وسعت اور اُسکی اور علوم سے نسبت

زبان کی تحقیق کا میدان ایسا وسیع ہے کہ انسان خواہ اپنی جودت ذہن کے برق رفتار گھوڑوں کو کیسی ہی جولانیاں دے مگر وہ اسکی انتہا پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ بھلا کہیں اس وسعت بے پایاں کا ٹھکانا ہے کہ قدیم زمانہ میں جو زبانیں زندہ تھیں یعنی بولی جاتی تھیں اور اب وہ مُردہ ہیں یعنی نہیں بولی جاتیں اِن کی تحقیق میں موشگافی اور زندہ زبانوں میں سے ہر زبان کا اصل حال اِسکے ہر لفظ اور کلمہ کی تحقیق اسکی صرف و نحو کے ہر قاعدہ کی تشریح یہ باتیں کیسی دشوار ہیں اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ طلبہ کی الفاظ کی گردانوں سے روگردانی اور اُن کی تصریفات سے بھی بیزاری اور بھی محقق کی دل شکنی کرتی ہیں۔ اور علوم میں صریح فائدے طلبہ دیکھتے ہیں کہ کیمسٹری سے گو ہم کو سیم و زر بنانا نہیں آئے گا مگر لوہے کو سیم و زر سے زیادہ بیش قیمت بنا لینگے۔ علم طبقات الارض سے ہم معادن دریافت کرینگے جو ہماری افزائش دولت کی معاون ہونگیں زبان میں بھی کوئی قصہ دل پذیر یا نظم دل چسپ نثر دل آویز ہو تو اسکے مطالعہ میں بھی ایک لطف و مزہ ہے۔ مگر نفس زبان کی تحقیق اِکے روکھے پھیکے سوکھے مضامین میں کیا خاک دھرا ہے۔ نہ کوئی اس سے دولت ملتی ہے نہ کوئی راحت ہوتی ہے یونہیں ناحق کا دردسر ہے۔ مگر جو محقق زبان ہے وہ اس میں اسرار عالم کا مشاہدہ کرتا ہے وہ ایک لفظ سے اِن واقعات کو قطعی ثابت کر دیتا ہے جو اور سو شہادتوں سے نہیں ثابت ہوتے غرض جسکو اس زبان کی تحقیق کا چسکا لگ گیا وہ دل و جان سے اُسپر فدا ہو گیا +

(۴) زبان کی اصل کی نسبت خیالات

زبان کی اصل بتلانا کہ کیا ہی نہایت مشکل کام ہے اسکی نسبت علماء محققین نے تین خیال ظاہر

لئے ہیں جنکی وجوہ کا بیان ہم آگے کرینگے اول یہ کہ زبان قدرتی آفرینش ہے۔ دوم انسان کی وضع کی ہوئی صنعت ہے۔ سوم عطیۂ الٰہی ہے ان تینوں صورتوں میں سے ہر صورت میں کوئی اور ایسی شے نہیں کہ اس سے علاوہ مرتبگی میں سبقت لے گئی ہو یا اسکی ہمسری کا دعوی کرسکتی ہو اگر وہ قدرتی یا طبعی آفرینش ہے تو کل آفرینش کے سر کا تاج ہے اور قدرت کا نقش آخر ہے جسے بہتر کوئی اور نقش نہیں بن سکتا۔ اس کی نقاشی کا اسی پر خاتمہ ہے۔ خاص انسان کے لئے اسے بنایا ہے۔ اگر وہ انسان کی وضع کی ہوئی صنعت ہے تو اس میں صنعت بشری قدرت الٰہی کے لگ بھگ جا پہنچی ہے۔ اسمیں وہ شان ایزدی دکھاتی ہے کہ کسی اور صنعت میں نہیں دکھائی اگر وہ عطیہ ایزدی ہے تو کل عطیات الٰہی سے اعلیٰ و اعظم ہے۔ انسان کو اسکی برابر کوئی نعمت عظمیٰ خدا تعالیٰ نے عطا نہیں کی۔ اسلئے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے اور بندے اپنے خدا تعالیٰ سے زبان ہی کے ذریعہ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ نماز۔ دعا۔ درود وظیفہ۔ سارے عبادات جناب باری میں زبان ہی میں ہوتی ہیں۔ اسسے زیادہ اور عظمت کیا ہو سکتی ہے کہ انسان کو حیوان پر شرف صرف نطق ہی کے سبب سے حاصل ہوا ہے +

(۴) سائینس اور آرٹ کی تعریف۔

چونکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ زبان بھی ایک سائینس ہے اور سائینس اور آرٹ ایسے دو انگریزی لفظ ہیں کہ جنکے ہم معانی الفاظ اپنی زبان میں مجھے نہیں معلوم اسلئے میں انہیں کو کام میں لاؤنگا۔ انکا تلفظ ایسا مشکل نہیں ہے کہ وہ ہماری زبان میں کھل ملکر شیر شکر نہ ہو جائیں مگر معانی اصطلاحی انکے دقیق ہیں وہ ذرا توجہ سے طلبہ کو یاد رکھنے چاہئیں سائینس کے معنی یہ ہیں کہ حقائق محققہ کا علم جو دلائل عقلیہ پر مبنی ہو۔ وہ علم عرفی کو یا ادنیٰ علم کو مدلل بنا کے اعلیٰ درجہ کا علم بناتا ہے وہ علل کے عمل کو مفصل بتاتا ہے اور یہ دکھلاتا ہے کہ واقعات کو کس طرح قوانین یا قاعدہ بناتے ہیں سائینس بہت سے مظہرات فطرت اور منظرات قدرت کی نظم و ترتیب قاعدوں کو بیان کرتا ہے اور موجودات عالم کے اسرار کو نہایت دقیق تحقیق سے استکشاف کرتا ہے میں نے سائینس کے ساتھ آرٹ کا لفظ اوپر لکھا ہے۔ یہ دو نو حق کی تحقیق کرتے ہیں۔ سائینس کی تحقیقات علمیہ ہوتی ہے اور آرٹ کی تحقیقات عملیہ ہوتی ہیں کسی چیز کی پیدائش کے واسطے سائنس حقائق کا اجتماع کرتا ہے

آرٹ عمل کی ہدایت کرتا ہے اور اُس کے قواعد کا مجموعہ بناتا ہے۔ سائنس میں یہ بحث ہوتی ہے کہ یہ ہے اور وہ نہیں ہے یہ واقع ہوتا ہے یہ نہیں واقع ہوتا۔ آرٹ میں یہ بحث ہوتی ہے کہ یہ کرو اور اُس سے بچو۔ سائنس مظاہرات عالم کے قوانین کو منکشف کرتا ہے اور آرٹ ایک اثر کے پیدا کرنے کے لئے اسباب جمع کرتا ہے اور اسکی علت غائی بتلاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ سائنس معارف یقینیہ یعنی علوم تحقیقیہ کا نام ہے اور آرٹ اعمال یقینیہ و تحقیقیہ کا نام ہے +

(۵) سائنس کی ابتدا و انتہا +

اگر کسی سائنس کی تاریخ از ابتدا تا انتہا مطالعہ کرو تو تم کو یہ ثابت ہو جائیگا کہ ہر سائنس کی ابتدا کیسی کیسی خفیف و ادنی باتوں سے شروع ہوئی ہے اور کن کن چالوں نے اُسکی بنیاد جمائی ہے۔ اجرام فلکی کے نام ابتک بتلا رہے ہیں کہ وہ کسی ملاح اور فلاح نے رکھے ہیں انکے پیشے کے کام اور یہ اجرام ہم نام ہیں جس سے کچھ شبہ نہیں رہتا کہ علم سیاحت کے بانی مبانی فلاح اور ملاح ہوئے ہیں جیومیٹری (علم ہندسہ) جسکے نام کے معنی (جیو زمین میٹری پیمائش) پیمائش زمین کے ہیں یہ بتلاتا ہے کہ کسی ہلواہے نے کوئی کھیت یا باغ ناپا ہوگا جسکے سبب سے اس علم کی بنا قائم ہوئی اور مہندس کوئی ہلواہا ہوگا اول سیاحت داں کوئی ملاح و فلاح علم فلاحت کا اول بانی کوئی باغبان مگر علم کی اس ابتدائی حالت کا نام سائنس نہیں ہے۔ اب نہ کسی ہلواہے کو مہندس نہ کسی ملاح و فلاح کو سیاحت داں نہ کسی گوبی بونے والے کو علم فلاحت کا عالم نہ کسی قصائی کو علم تشریح کا عالم کہہ سکتے ہیں زمانہائے دراز میں علم کی نوبت سائنس تک پہونچی ہے تحقیقات پر تحقیقات متواتر ہوتی رہی ہیں۔ اغلاط پر اغلاط ہوتی ہیں پھر انکی اصلاح و صحت ہوتی ہے جب کہیں حقائق یقینیہ پر علم ہوتا ہے تو اس علم کا سائنس نام رکھا جاتا ہے +

(۶) سائنس کے لئے بکار آمد ہونا بھی ضرور ہے +

اسی سائنس میں انسان ترقی کرتا ہے کہ جس سے اس کا کام نکلتا ہے منفعت ہوتی ہے۔ اس منفعت ہی کا خیال طبیعت کو شوق اور اسکی طرف توجہ دلاتا ہے اور اسکی تحصیل کی طرف ہمت بند ہوتا ہے جہاں سائنس سے آدمی کی مطلب بر آری موقوف ہوئی اس سے ہاتھ اُٹھایا۔ اہل یوروپ نے اب علم کیمیا و علم نجوم یعنی جوتش کو اسلئے چھوڑ دیا کہ عقل و دانش کی ترقی کے سبب سے اب وہ سمجھنے لگے کہ ان علموں سے کوئی ہمارا کام نہیں نکلے گا نہ تو علم کیمیا سے ہمکو سونا بنانا آئیگا نہ جوتش سے ہماری پرالبدھ (قسمت) کی بلا جھلیگی کیا وہ زمانہ جوتش کا یوروپ میں گذرا ہے کہ جوتشی بادشاہوں کے مصاحب و ہم نشین و مشیر ہوتے تھے

اور سیاہت داں جو یتاں چٹخاتے پھرتے تھے یا اب جوتش کا نام بھی وہاں نہیں لیا جاتا غرض کسی سائینس کی ترقی اسکے بکار آمد و نفع رسانی خلائق پر منحصر ہے۔ یہی حال آرٹ کا ہی کہ جب تک وہ خلائق کو نفع پہونچاتا ہے جاری رہتا ہی نہیں متروک ہوجاتا ہے +

(۷) زبان بھی سائنس ہے +

میں نے جو اوپر تین چار دفعات لکھکر کاغذ سیاہ کیا تو اوس سے میرا مطلب تہا کہ زمانہ حال میں علمائے محققین جو زبان کو سائینس کہتے ہیں اسکے کیا معنی ہیں اسے بتلاؤں +

یہ امر مسلم ہے کہ سائینس سے کوئی عملی فائدہ پہنچنا چاہئے۔ زبان کا سائینس ایسا ہی کہ آجکل کے زمانہ میں جو سو برس بعد کا مفہوم ہی اس سے کم حاصل ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ بہت سی زبانیں جلد تر آجائیں نہ کبھی خواب و خیال میں یہ امید ہوتی ہی کہ اس سے کوئی زبان ہمکو ایسی آجائیگی کہ ساری دنیا اسے سمجھیگی اسکا موضوع صرف یہ ہی کہ زبان فی نفسہ کیا شی ہی۔ ایسی صورت میں امید نہیں ہوتی کہ پبلک کی توجہ اُدہر سائینس کی طرف ہو۔ مگر ہاں سائینس بہت سے سوالات جو بظاہر مشکل و خیالی معلوم ہوتے ہیں ایسے حل کرتا ہی کہ وہ تاریخ میں بیا اثر نیک یا بد بہت بڑا رکھتے ہیں اب سے پہلے زمانہ میں آدمی اپنے ایک تصور کے لئے لڑنے کو اپنے ایک لفظ پر جان دینے کو موجود ہوجاتے تھے بعض سوالات ایسے تھے کہ انہوں نے اول زمانہ سے آخر زمانہ تک دنیا کو پریشانی و اضطراب میں ڈال رکہا ہے۔ ان سب باتوں کی مشکل آسان کرنی زبان کی سائینس سے تعلق رکھتی ہے +

یونانیوں کے ہاں میتھیولوجی ایک علم ہے کہ اس میں کل قوا و جذبات انسانی کو ایک ایک مجسم دیبی یا دیوتا سے تعبیر کیا ہی اور اُن کے واسطے وہ نشانیاں مقرر کی ہیں جو انکی شان کے شایاں ہیں۔ یہ میتھیولوجی زبان ہی کے مرض سے پیدا ہوئی ہی جو زمانہ قدیم میں انسان کے حق میں زہر سے کم اثر نہ رکھتی تھی۔ وہی لفظ جو پہلے کسی قوت و جذبۂ انسانی کا نام تھا یعنی اسم یا صفت تہا اسی نے اپنی مجسم صورت بنائی۔ یونانی۔ رومی۔ ہندوستانی اور اور قوموں کے جو دیوتا ہیں وہ شاعرانہ نام ہی ہیں جنہوں نے رفتہ رفتہ خدا کی شان کو غصب کر لیا ہے اور اب وہ خدا بن بیٹھے ہیں۔ یہ الفاظ واضعین نے اسلئے نہیں وضع کئے تھے۔ مثلاً سنسکرت میں دیوس ایک لفظ ہے جسکے معنی روشن آسمان کے ہیں جسکی شعاع زرین دنیا کی گود میں گرتی ہی اب اسکی ایسی کہانیاں جڑ گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے

وہ بھی کوئی خدا ہے جو سنگھاسن پر مورتونکی صورت میں بیٹھا ہوا لینے تئیں پجوار ہا ہے۔ اگرچہ ہمارے حال کی زبانوں میں اِس میتھی اولوجی کی بیماری بہت کم ہو گئی ہے مگر بالکل دفع نہیں ہوئی قدیم زمانہ میں ایسے دو فرقے حکما کے گذرے ہیں کہ جنمیں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ مفہومات کلّی کا وجود خارج میں موجود نہیں فقط الفاظ اور ناموں ہی کا وجود ہے۔ دوسرا فرقہ اسکے برعکس کہتا تھا اور اُسکو کافر سمجھتا تھا جو یہ کہتا تھا کہ ایسے الفاظ جیسے کہ سچ یا انصاف ہیں فقط مفہومات ذہنی ہوں اور اصلی چیزیں نہ ہوں جو دنیا میں روز روشن میں چلتی پھرتی نہ ہوں +

زمانہ حال میں بعض بڑے بڑے الجھیڑے کے سوالات پولیٹکل (ملکی)، و سوشیل (تمدنی) پیش آتے ہیں کہ جنکے سمجھانے کے لئے یہی زبان کا سائنس بلایا جاتا ہے اس سائنس کے سبب سے یوروپ کے نقشہ کی نئی صورت بلحاظ قوموں اور زبانوں کے بدلکر نئی بنی ہے۔ اسی سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبانوں کا ایک اصل سے اور قوموں کا ایک نسل سے پیدا ہونا ناممکن ہے +

زمانہ حال میں حکماء کی تحقیقات نے حیوان کے درجہ کو بہت بلند کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کل قوا جو انسان میں ہیں حیوان میں بھی موجود ہیں مگر سوا قوت ناطقہ کے پس اب انسان کو شرف حیوانات پر صرف اسی نطق کے سبب سے حاصل ہے پس جس سائنس کا موضوع نطق انسانی ہو اُسپر سب علموں سے زیادہ توجہ کرنی چاہئے +

(۸) کوئی علم سائنس کے درجہ پر کب پہونچتا ہے۔

انسانی علم کے دو بڑے حصے ہیں جو اپنے موضوع کے اعتبار سے مادی سائنس اور تاریخی سائنس کہلاتے ہیں مادی سائنس میں خدا تعالیٰ کے کام بیان کئے ہوتے ہیں تاریخی سائنس میں انسان کے اپنے کام بیان کئے ہوتے ہیں ہر مادی سائنس کے لئے یہ تین زمانے تحقیقات کے ضرور ہوتے ہیں اول زمانہ جسمیں افراد یعنی جزئیات کی تحقیقات ہو۔ دوسرا زمانہ جزئیات یا افراد کی اصناف اصناف سے انواع اور انواع سے اجناس بنائی جائیں تیسرا زمانہ جو ان دونو زمانوں کے بعد آتا ہے۔ اسمیں استقراء سے قواعد کلیہ بنائے جاتے ہیں اور اُنکے احکام جاری ہوتے ہیں مثلاً بوٹنی یعنی نباتات کا سائنس ہے۔ اسکے لئے اول یہ چاہیے کہ دنیا کے نباتات کا جُدا جُدا حال معلوم ہو۔ پھر ان بیانات کی فراہمی ہو دیکھا جائے کہ کس کس میں کون کونسی باتوں میں توافق و تطابق و تشابہ و تخالف و تقابل ہے اسکے موافق انکی اصناف انواع اجناس مقرر کی جائیں پھر ان دونو مرتبوں کے طے ہونے کے بعد استقراء سے قواعد کلیہ مقرر ہو کے ان کے احکام جاری کئے جائیں پس ان مراتب ثلاثہ کے طے

ہونے کے بعد نباتات کا سائنس معرض وجود میں آیا ہوگا۔ اگر ان تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی خالی رہے گا تو معلومات کی مشغلہ سے جہوت لات نہیں روشن ہونگے۔ پس ہم آگے یہ بیان کرینگے کہ زبان کے لیے یہ مراحل ثلاثہ طے ہو چکے ہیں اسلیئے زبان بھی ایک سائنس ہے مگر بادی النظر تاریخی۔

(۹) زبان کی سائنس پر توجہ کرنی ضرور ہے

زبان کی سائنس کا موضوع یہ ہے کہ زبان کی نفس الامری واقعات کو جمع کریں اور پھر انکی تقسیم و تنوع اس طرح کریں جسے معلوم ہو کہ زبان کی اصل سرشت جبلت کیا ہے اور اُسکے قوانین کیا ہیں کچھ ضرور نہیں کہ جو شخص اس سائنس کی طرف توجہ کیسے وہ بہت سی زبانیں جانتا ہو۔ گو یہ سچ ہے کہ زبان اپنے حسن و جمال کو بے نقاب و حجاب کر کے اُس عالم کو دکھاتی ہے جسنے اُسکی دقیقہ یابی اور نکتہ جوئی میں مختلف زبانوں کے علم ادب کے مطالعہ میں عرق ریزی و جانفشانی کی ہو۔ مگر وہ اُسنے بھی اپنے محاسن کو نہیں چھپاتی جو زبانوں کی چھوٹی چھوٹی فرہنگوں اور صرف و نحو سے واقف ہیں۔

گو بہت سی زبانیں ایسی دُنیا کے پردہ پر سے معدوم ہو گئی ہیں کہ کہیں اُنکا پتا نہیں ملتا۔ مگر جتنی زبانیں خواہ زندہ یا مُردہ موجود ہیں اور جتنی طرز و روش سے ان میں تکلم ہوتا ہے وہ اتنی موجود ہیں کہ زبان کے سائنس بنانے کے لئے کافی ہیں +

ایک یونانی ضرب المثل مشہور ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ واقفیت حقارت پیدا کرتی ہے جن چیزوں سے روزانہ کام پڑتا ہے اُنکو ناچیز سمجھکر اُسپر کچھ غور و تامل نہیں کرتے اور اُنمیں کسی ندرت کا گمان نہیں کرتے۔ روز سڑک کے پر رو ڑے پڑے دیکھتے ہیں کبھی یہ دہیان نہیں کرتے کہ وہ پنڈتوں کی طرح سنگھاسن پر بیٹھے گیتا بانچ رہے ہیں اور سائنس کا سرا کھول رہے ہیں ایسی ہی جب کسی گنوار لڑکے کے منہ سے الفاظ سنتے ہیں تو اُسپر یہ گمان بھی نہیں کرتے کہ وہ بھی سائنس کا بھید بتاتا ہے مگر خوب جان لینا چاہیے کہ عجائبات عالم میں سے الفاظ بھی ہیں جیسے کہ الفاظ پر عقل فرمانروائی کرتی ہے ایسی ہی عقل پر الفاظ اپنی حکمرانی کرتے ہیں الفاظ میں وہ زور و طاقت ہے کہ بڑے بڑے زبردست عاقلوں کی گردن میں کمند ڈال کے اپنی طرف گھسیٹ لیتے ہیں اور اُنکی رائے کے احکام کو پلیٹ دیتے ہیں یہ امر نہایت افسوس کے قابل ہے کہ آدمی اور علموں پر تو ایسا فریفتہ ہو کر زمین کی آنتوں میں گھس کے خزانے نکال لائے۔ پھولوں کے کھلنے کی موسموں کے جاننے کے لئے جان کھپائے۔ اجرام فلکی کی حرکات

وسکنات دیکھنے کے لئے رات کو دوربین لگائے بر اعظم کے جانوروں کی شناسائی کے لئے جویاں ہو۔ دنیا کے طوفان کے قوانین سے آگاہ ہونے کی تکلیف اٹھائے جسم انسانی کی بوٹی بوٹی ڈھونڈھے رگ و پٹھے و خون کے گوشت پوست بنانے کی حالتوں کے جاننے میں ہمہ تن مصروف ہو۔ مگر زبان کے علم سے اپنے تئیں محروم رکھے جس کے بغیر کسی علم میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ کسی خاص زبان کا جاننا اور بات ہے اور مطلق زبان کا جاننا اور چیز ہے۔

فصل دوم زبان کی پیدائش و تحقیقات زبان

(۱) زبان کا تشابہ پیدائش میں درخت کے ساتھ

پیدائش کے اندر زبان اور درخت کے درمیان تشابہ بعض محقق بتاتے ہیں مگر تشابہ و تقابل بڑے دھوکے کی ٹٹی ہوتے ہیں ہم درخت کی پیدائش کا اصل سبب نہیں جانتے پس ایسی چیزوں کے تشابہ و تقابل سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا کہ جہاں ایک چیز کا حال کماحقہ نہ معلوم ہو اور دوسری چیز کا حال مجہول ہو۔ یہ تشبیہاً کہنا جی کو بھلا لگتا ہے کہ جیسے درخت کا بیج بویا جاتا ہے وہ پھوٹتا ہے۔ بڑھتا ہے۔ کونپلیں پتے اور شاخیں نکلتی ہیں شاخیں چھوٹی بڑی ہری بھری پھولی پھلی ہوتی ہیں۔ کوئی انہیں کٹ کر الگ ہو کر گر پڑتی ہے سوکھ کر کانٹا ہو جاتی ہے پس یہی حال زبان کا ہے کہ اس کا بیج بویا جاتا ہے وہ پھوٹتا اُگتا بڑھتا ہے۔ شاخیں پتے نکالتا ہے شاخیں چھوٹی بڑی سوکھی ہری ہوتی ہیں۔ کوئی انہیں تنہ میں لٹکتی رہتی ہے کوئی جدا ہو کر پتہ مردہ مردہ ہو جاتی ہے۔ بعض پتے اس کے علیحدہ ہو کر ایسے دور چلے جاتے ہیں اور سوکھ کر خاک میں مل جاتے ہیں کہ ان کا پتا نہیں لگتا۔ مگر درحقیقت درخت اور زبان میں اصلی تشابہ فقط اس بات میں ہے کہ وہ اپنی پیدائش میں قائم بالذات نہیں رہتی۔ درخت کی پیدائش کے لئے پہلے زمین۔ پانی۔ ہوا۔ روشنی کا ہونا ضرور ہے ان بغیر اس کی ہستی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسی ہی زبان کے لئے ایک زمین کی ضرورت ہے جس میں اس کا بیج ڈالا جائے اور یہ زمین انسان کا نفس ناطقہ ہے جس کے بغیر اس کا وجود ممکن نہیں یہ کہنا کہ زبان جنم لیتی ہے اور بڑھ کر بالغ ہوتی ہے اور پھر ضعیف ہوتی ہے اور مر جاتی ہے مجازاً زبان کو بوتا بنانا ہے جس کی اب ضرورت نہیں رہی۔

(۳) زبان کی پیدائش میں لہجہ متکلم و محاورے کا اثر

زبان کا مقصود سوا اسکے کچھہ اور نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے معانی کو الفاظ میں بیان کرے۔ اسکا ہر لفظ اصل میں کچھہ معنی رکھتا ہے اور اسمیں اتنی ہی الفاظ ہوتے ہیں جو ہمارے معانی کو پورا پورا ادا کردیتے ہیں اس سے کم و زیادہ نہیں ہوتے۔ زبان کی پیدائش میں ایک لہجہ کا دوسرے محاورہ کا اثر بڑا ہوتا ہے لہجہ مخارج آواز سے متعلق ہے جو ایک زبان کے بولنے میں جدا جدا ہوتے ہیں دوسرا محاورہ اس طرز و روش تکلم سے متعلق ہے۔
جو ایک زبان کے بولنے میں مختلف ہوتے ہیں یہ دونو زبان پر عمل کرنے میں ہم زمان ہوتے ہیں۔ مگر اُن کے عمل جدا جدا ہوتے ہیں انمیں تمیز کرنی ضرور ہے۔ لہجہ حذف و تخفیف و تبدل اکثر کرتا ہے اور محاورہ زبان میں زیادتی کرتا ہے۔ ایک کا کام تقلیل اور دوسرے کا کام تکثیر ہے۔ لہجہ کی تقلیل کی مثالیں یہ ہیں کہ سنسکرت میں دو کو द्वि دوی کہتے ہیں اور دس کو दश دش اور دہائی کو दशति دشتی کہتے ہیں اب द्वि دوی میں द دال کو حذف کیا تو वि وی رہا اور دشتی दशति میں دال द کو حذف کیا تو शति شتی رہا تو وی شتی विंशति द्विदशति دوی شتی دو دہائیاں ہوئیں جسکے فارسی لہجہ میں بست اور ہندی لہجہ میں بیس ہوگئے۔ سنسکرت میں स्वसर سو سر بہن کو کہتے ہیں اور سنسکرت کا स سا = فارسی خہ تو سوسر = خواہر اور صہ خ تو فارسی لہجہ نے سوسر کو خواہر بنا دیا۔ اور ایسے ہی سنسکرت میں ...

(۴) محاورات کا اثر

محاورات کے اثر کے معنی سمجھیے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ زبان انسان کی ذات کے ساتھہ قائم ہے خود قائم بالذات نہیں اور ہر آدمی کے منہ سے لفظ نکلا ادہر ہوا پھر وہ نہیں سنائی دیتا۔ یہ امر ایک اتفاقی ہے کہ زبان کی تحویل تحریر میں ہوئی ہے اور تحریر ہی علم ادب زبان کا مرکب بن گیا ہے ورنہ ابتک دنیا میں انہیں زبانوں کی کثرت ہے جو تحریر میں نہیں آئیں اور انکا علم ادب مدون نہیں ہوا۔ وسط ایشیا۔ افریقہ۔ امریکہ۔ پولی نیشیا کی بہت سی قوموں کی زبانیں اپنی طبعی حالت میں ہیں۔ علما محققین کو انمیں طبعی زبانوں کی کیفیت نظر آتی ہے۔ طبیعی زبان سے ایک مصنوعی زبان بنتی ہے تو اسکا علم ادب مرتب ہوتا ہے۔ زبان کی اصل محاورات ہیں علم ادب خواہ کیسا ہی دست غضب اپنا دراز کرے۔ مگر برسوں میں بھی محاورات کو وہ غارت نہیں کرسکتا۔ یعنی زبان خواہ کیسی ہی شائستہ

و مہذب ہو جائے وہ گنواروں کے محاورات کو جو زبان کی اصل بنیاد ہے استعمال نہیں کر سکتی یہ
کہنا غلط ہے کہ گنوار کتابی محاورات کو بگاڑ بگاڑ کر بولتے ہیں بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ گنواروں کے محاورات
سنوار سنوار کر کتابوں میں لکھے جاتے ہیں اسلئے کہ ہمیشہ زبانی محاورات کو تحریر پر تقدیم ہوتی ہے
وحشی قوموں کی زبانوں کی تحقیقات کا بار جن محققین نے اپنے سر پر لیا ہے اونہوں نے یہ خوب تحقیق
کر لیا ہے کہ جب تک زبان کے منہ میں تحریر کا دہانہ اور لگام نہیں لگائی جاتی وہ بے مہار رہتی ہے
اور اُس کے محاوروں میں تغیر جلد جلد ہوجاتا ہے - وحشی قومیں جہاں ہمسایہ میں بھی رہتی ہیں وہاں
ایک دوسرے کی زبان سے نا آشنا و بیگانہ ہوتی ہیں - تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر انکے محاورات
میں اختلاف ہوتا ہے - انکے محاورات کے اختلافات وحدت میں کثرت کا تماشا دکھاتے ہیں - یعنی
ایک ہی زبان کے بولنے والے اپنے تکلم کی طرز اور محاورات کی روش ایسی رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے
کی بات کو نہیں سمجھتا کہ کیا کہتا ہے - ملک برہما میں راکان و بیگو کا علم ادب مدون ہے مگر جزیرہ نما
ایراوتی کے سلسلہ کوہستان میں جو آزاد قومیں رہتی ہیں انمیں فقط تیس چالیس کنبوں میں ایک
زبان بولی جاتی ہے اور باقی کنبوں میں اسی طرح اور زبانیں بولی جاتی ہیں ہمسایوں میں زبان
کا اختلاف ہے - اگر کوئی فرقہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی اور جگہہ جا بسا تو دو تین نسل میں وہ اپنے
اصلی وطن کی بولی سے بیگانہ وطن میں کوئی اوس کی بولی سمجھے گا شمالی وسط ایشیا میں
منغلوں کے محاورات کی کیفیت یہی ہے - اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے قدرتی بہاؤ کا یہ اقتضا
ہے کہ وہ بے شمار محاوروں کی رَوؤں میں رواں ہو مگر علم ادب کی تدوین اسکو بہنے سے
باز رکھتی ہے اور روک رکاوٹ کرکے ایک پائدار بنیاد پر قائم کرتی ہے اگر کسی ایک زبان کے
بولنے والوں کا دائرہ فراخ ہو اور اس میں بکثرت اہل زبان اپنی زبان پر قدرت رکھتے ہوں
تو اسمیں ایک اہل زبان خواہ کیسا ہی زبان داں ہو اور قدرت بیان رکھتا ہو اور ایک اپنی طرز
خاص کا موجد ہو اور اُس کے بکثرت مقلد بھی ہوں تو بھی اُس کے محاورات کا اثر بہت ہی کم ہوگا
اسکے محاورات وہی مروج ہونگے جو اصلی جوہر رکھتے ہونگے - اسلئے بڑے ملکوں میں جہاں علم ادب
مدون ہوگیا ہے اس میں سخنور خواہ کیسا ہی عالم متبحر ہو تغیر نہیں پیدا کر سکتا - برخلاف اس کے جہاں
زبان کا حلقہ چھوٹا ہے اور اسکے بولنے والوں کی تعداد کم ہے اس میں ایک سخن شناس جو زبان پر

بقادر ہوگا بہت تغیر پیدا کریگا۔ وہاں کوئی حریف رقیب اسکا روکنے کے لئے مقابل میں کھڑا ہی نہیں ہوگا جس گروہ کی زبان قلم بند نہیں ہوئی اگر وہ فرقوں میں متفرق ہوجائے تو پھر اسکے محاورات خانہ خراب ہوکر کچھ سے کچھ ہوجائینگے۔ ایک زبان کے بولنے والوں کی جتنی کثرت ہوگی اتنی ہی اس زبان کو پائداری و استواری حاصل ہوگی اور جتنی بولنے والوں کی قلت ہوگی اتنی ہی اس کو ناپائداری ہوگی اور جلد اسمیں تنزل و تبدل ہوجائیگا جب کسی زبان کے بولنے والے کم ہوتے ہیں تو تصورات کم ہوتے ہیں اور جب تصورات کم ہوئے تو الفاظ کم ہونگے اور کمی الفاظ کی بھول بھلیوں میں خیالات چکر کھاتے پھرینگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زبان کے تغیر تبدل میں لہجہ و محاورات کو بہت دخل ہے

(۴) زبان کی نسبت متقدمین کے خیالات۔

زمانہ قدیم سے انسان نے اپنی بول چال پر بہت غور و خوض کی ہے اور اُسکی نسبت اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں سب سے زیادہ علم زبان کی طرف اہل ہند اور اہل یونان نے توجہ کی ہے مگر جو کچھ انھوں نے اپنے فکر و غور سے زبان کی نسبت لکھا ہے وہ ایسا ہی جیسا کہ وہ شخص اونٹ کا حال لکھے جسنے کبھی اونٹ اور ریگستان کی صورت نہ دیکھی ہو۔ وید کی زبان کا مرتبہ برہمنوں نے خدا تک پہنچایا ہے۔ یہ برہمنوں کا قاعدہ اور دستور ہے کہ جب وہ کسی چیز کی اصلیت سے نہیں واقف ہوتے تو وہ اُسکو خدا بنا دیتے ہیں زبان کی مخاطبت میں وہ اپنے ہوموں میں یہ کہتے ہیں کہ تو ازل سے دیوتاؤں کے ساتھ ہے اور ہمیشہ عجیب غریب کام کرتی رہی ہے اور کبھی تیرا عظیم الشان کو پورا پورا نہیں ہوا وہ اسمیں دھوکا رہا۔ برہما میں زبان کو گائے اور سانس کو سانڈ لکھا ہے اور بچھڑے کو آدمی کا من قرار دیا ہے۔ واچ جو زبان کی دیبی ہے وہ رگ وید کے دسویں دسیا کے ۱۲۵ ویں اسوکت میں اپنی نسبت یہ اشلوک کہتی ہے کہ میں منش (آدمی) اور دیوتاؤں کے لئے بکت ہوں جنپر منیہ (محبت) کرتی ہوں انکو بلوان (طاقت ور) کرتی ہوں اُسکو برہمن بناتی ہوں اُسکو برہما اور تار بناتی ہوں اُسکو بدھوان (عاقل) بناتی ہوں۔ رودر (رنج کا دیوتا) پر کمان کھینچتی ہوں۔ برہمنوں کے بیریوں کو مارتی ہوں۔ آدمیوں کے واسطے لڑتی ہوں۔ دھرتی واکاش (زمین آسمان) کے بیچ میں پھیلی ہوئی ہوں۔ اس سنسار کی چوٹی پر میرا باپ ہے میری اصل سمندر کے جل میں ہے۔ وہاں سے کل موجودات عالم میں نفوذ کرتی ہوں اپنی بلندی کو آسمان تک چھواتی ہوں۔ میں خود ہوا کی طرح سانس لیتی ہوں ساری موجودات کو اپنی بغل میں لیتی ہوں

جو اس کا سن سے اوپر اور اس دہرتی سے باہر ہے ایسی میری بڑائی ہے انتہی

برہمن موجودات عالم میں سب سے بڑا ہے وہ گویائی کے سبب سے پہچانا جاتا ہے۔ بلکہ گویائی خود بزرگ برہمن ہے۔ اہل یونان نے گو زبان کو خدا کے درجہ پر نہیں پہنچایا مگر اسکی تعظیم و تکریم بہت کی۔ جتنے مذاہب قدیمہ فلسفی کے ہیں انمیں کوئی ایک بھی خالی نہیں جس میں زبان کے بابا میں اقوال فلسفیانہ موجود نہ ہوں۔ اہل یونان کو ابہام دانش جیسا تعجب خیز زبان میں جو عالم ظاہری و باطنی کی تصویر ہے ہوا ہے ایسا عالم ظاہر و باطنی کی کسی شے میں نہیں ہوا۔ قدیم سے یہ سوال کہ زبان کیا شی ہے ان سوالات کے ساتھہ چلا آتا ہے کہ من کیا ہے۔ من کے گرد کیا شئی ہے۔ انہیں سوالات سے اہل یونان کے مباحثوں و مناظروں کی رزم گاہ گرم رہا کرتی تھی +

(۵) زمانہ قدیم میں غیر زبانوں کا مطالعہ۔

زمانہ حال میں غیر زبانوں کے سیکھنے کا رواج ہوا ہے اب تو وہ ایک پیشہ ہو گیا ہے جسکو صدہا اہل علم اختیار کرتے ہیں اسکا شوق کسی کو قدیم زمانہ میں شاذ و نادر ہی ہوا کرتا تھا۔ یونان میں کسی کو یہ شوق پہلے زمانہ میں کبھی نہیں ہوا کہ وہ غیر زبان سیکھے۔ وہ غیر زبان کیوں سیکھتے۔ اسلئے کہ انہوں نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک میں اہل یونان تھے دوسرے میں باربیرین یعنی ایسے آدمی کہ جو زبان وہ بولتے ہوں اچھی طرح سمجھہ میں نہ آئے۔ ان باربیرین کی گفتار۔ رفتار۔ اطوار سیکھنے کو یونانی اپنا ننگ و عار سمجھتے تھے۔ قدیم زمانہ کا دستور تھا کہ جو قومیں سربرآوردہ تہذیب و شائستگی میں ہوتیں وہ اپنے سوا اور ساری قوموں کے نام ایسے رکھتیں جسکے معنی بہرے گونگے یا اچھی طرح نہ بولنے والے کے ہوتے تھے۔ اہل عرب نے اپنے سوا ساری قوموں کا نام عجم رکھا تھا جسکے معنی کند زبان و گونگے کے ہیں ہندو اپنے سوا اور قوموں کو ملیچھ کہتے تھے جسکے معنی ایسے آدمی کے ہیں جو اس طرح بولے کہ اچھی طرح سمجھہ میں نہ آئے۔ شائستہ قوموں کے دماغ میں یہ نخوت سمائی ہوئی تھی وہ غیروں کی زبان کب سیکھتے تھے جب یونانیوں کو غیر قوموں کے ساتھہ گفت و شنید کی ضرورت پڑی تو انہوں نے یہ چاہا کہ ان غیر قوموں کی زبان سیکھیں مگر مشکل یہ پیش آئی کہ جب تک فریقین اپنی اپنی زبان میں باتیں کریں تو کیونکر وہ ایک دوسرے کی زبان سیکھہ سکتے ہیں یہ مان لو کہ اول اول یونانیوں نے غیر زبانیں اس طرح سیکھی ہونگی جس طرح بچے زبان سیکھتے ہیں۔ قدیم مورخ جن ترجمانوں کا یعنی دو بھاشیوں کا ذکر کرتے ہیں کہ

وہی دوغلے آدمی تھے جنکے ماباپوں کی زبانیں ایک دوسرے سے غیر تھیں سائی اگزریس بادشاہ
میڈیا نے جب اُس کے ملک میں سیتھیا والوں کا ایک گروہ آگیا تھا یہ حکم دیا تھا کہ بچے اِنکے حوالے
کئے جائیں کہ وہ اُنکی زبان اور تیر اندازی سیکھیں جو یونانی اور غیر یونانی ماباپوں سے بچے پیدا
ہوئے تھے وہ ضرور ماں اور باپ کی زبانیں جانتے ہونگے۔ وہی ترجمان بنتے ہونگے اور جب اس پیشہ
ترجمانی کی آمدنی زیادہ ہوئی ہوگی تو بہت سے آدمی ترجمان بن گئے ہونگے

یونان اور ایران کے درمیان جب لڑائیاں ہوئی ہیں تو اہل یونان نے یہ جانا ہے کہ اور قوموں
میں بھی زبان واقعی زبان ہوتی ہے سکندر کی فتوحات عظیم نے انکو اور بھی قوموں و زبانوں
کے حالات سے واقف کردیا جب سکندر ہندوستان میں آیا ہے اور برہمنوں کو یہ سمجھ کر کہ قدیمی علوم مخفیہ کے
وہ رازدار محافظ ہیں بلا کر گفتگو کی ہے تو وہ جو سوالوں کے جوابات دیتے تھے تو اتنے ترجمانوں کی ضرورت
پڑتی تھی کہ ایک پنڈت برہمن نے کہا کہ ہمارے جوابوں کا حال ایسے پانی کا سا ہو گیا ہے جسکو بہت سی گندی
نالیوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ گو پہلے سیاحوں کی سیاحت اور حکایات بہت مشہور ہیں کہ ہندوستان میں
لاسی گرس مقنن یونان حکیم فیثاغورس اور بعض اور مشہور نامور آئے مگر وہ سب جھوٹی معلوم ہوتی ہیں
جو سیاح کسی ملک کی زبان نہیں جانتے تھے وہ کیسے اوسکے دیہات قصبات شہروں چھاونیوں میں جاتے
ہونگے سیاح کے لئے ضرور ہے کہ جب غیر زبان قوموں میں جائے تو کیا خود اونکی زبان کسی قدر جانتا ہے
یا کوئی ترجمان اسمیں اور اُنمیں درمیان میانجی ہو۔

(۶) زبانوں کی تحقیقات مختلف زمانوں میں۔

زمانہ سابق میں یورپ کی زبانیں یونانی لاٹین وغیرہ تھیں وہ مغربی زبانیں کہلاتی تھیں اور ایشیا
کی زبانیں عبرانی۔ عربی۔ سریانی وغیرہ تھیں وہ مشرقی زبانیں کہلاتی تھیں۔ بہت دنوں علماء محققین
اسکے درپے رہے کہ عبرانی زبان کو اور سب زبانوں کی اصل ثابت کریں کیونکہ ان کے نزدیک حضرت
آدم عبرانی زبان بولتے تھے اسلئے سب زبانوں کی اشتقاق کا مادہ عبرانی ہونا چاہیے عہد عتیق
عبرانی زبان میں لکھا گیا ہے۔ وہی انسان کی زبان سب سے اول ہے۔ عہد عتیق کا ایک حصہ لکھتا ہے کہ
حضرت آدم نے جو عبرانی زبان سکھائی تھی وہ دنیا کے اس حصہ میں باقی رہی جسکو خدا نے اپنے لئے
پسند کیا تھا اور باقی دنیا جو خدا تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے حوالہ کی تھی اسمیں وہ عبرانی زبان قائم

نہیں رہی کچھ اور زبان بن گئی غرض یہ مدتوں تک خبط اِن علما کو رہا کہ عبرانی زبان سب زبانوں کی
ماں ہے اور یہ اور زبانیں یونانی لیٹن۔ کوپٹک۔ فارسی۔ عربی اسکی بیٹیاں نواسیاں ہیں۔
سب زبانوں کا مرکز مرجع عبرانی زبان ہے ستر ہوئیں اٹھارہویں صدی میں بڑے بڑے محققین نے
اپنے ذہن نقاد و فکر وقاد کو عبرانی زبان کو اور زبانوں کے مرکز بنانے میں اسی طرح صائع کیا جسطرح
کہ زمین کو اجرام فلکی کے مرکز بنانے میں علم ہیئت کے محققین نے ضائع کیا تھا۔ بہت سی کتابیں
اسی مضمون پر تصنیف ہوگئیں کہ یونانی۔ لیٹن اور کل زبانیں عبرانی زبان سے مشتق ہوئی ہیں
مگر کسی طرح سے اصل مطلب نہ حاصل ہوا تو آخر سوال یہ پیش ہوا کہ کسطرح سے اور زبانوں کا ماخذ عبرانی
زبان ہو سکتی ہے۔ اس سوال کے حل ہونے سے مشکل سہل ہو گئی عہد عتیق و عہد جدید کا ایک لفظ اس
اعتقاد کی شہادت نہیں دیتا کہ سب زبانوں کی اصل عبرانی زبان تھی۔ خدا معلوم کہ حضرت آدم کی
زبان کیا تھی۔ توریت میں لکھا ہے کہ تمام زمین پر ایک ہی زبان اور ایک ہی بولی تھی جب وہ پورب سے
روانہ ہوئے تو ایسا ہوا کہ انہوں نے سنعار کے ملک میں ایک میدان پایا۔ اور وہاں رہنے لگے
اور آپس میں کہا آؤ ہم اینٹ بناویں اور آگ میں پکاویں سو انکو پتھر کی جگہہ اینٹ اور گچ کی جگہہ
گارا تھا۔ اور انہوں نے کہا کہ آؤ ہم اپنے واسطے شہر بناویں اور ایک برج جسکی چوٹی آسمان
تک پہونچے بناویں اور یہاں اپنا نام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ تمام روے زمین پر پریشان ہو جاویں
اور خدا اس شہر اور برج کو جسے بنی آدم بناتے تھے دیکھنے اُترا۔ اور خداوند نے کہا کہ دیکھو
لوگ ایک ہیں اور ان سب کی ایک ہی بولی ہے۔ اب وے یہ کرنے لگے سو وہ جس کام کا ارادہ
رکھینگے اُس سے نہ رک سکینگے۔ آؤ ہم اُتریں اور انکی بولی میں اختلاف ڈالیں تاکہ وہ ایک دوسرے
کی بات نہ سمجھیں۔ تب خدا نے وہاں سے تمام روے زمین پر پراگندہ کیا۔ سو وہ اس شہر کے بنانے سے
باز رہے۔ اسلئے اس کا نام بابل ہوا کیونکہ خدا نے وہاں ساری زمین کی زبانوں میں اختلاف
ڈالا۔ اور وہاں سے خداوند نے انکو تمام روے زمین پر پراگندہ کیا۔ باب پیدایش آیات ۱ - ۹ تک
بابل کے انتشار کے بعد جو زبانیں پیدا ہوئیں اُنمیں ایک عبرانی زبان بھی ہے۔ نہ وہ حضرت آدم
کی بولی تھی نہ کل دنیا کی اُس حالت میں تھی کہ ایک ہی زبان سب آدمی بولتے تھے۔ غرض سمیٹک
زبانوں سے یعنی عربی عبرانی سُریانی سے اہلِ یورپ جب واقف ہوئے میں تو ستر ہویں صدی

میں زبانوںکی تقسیم شروع ہوئی مگر یہ تقسیم کچھہ سائنٹیفک نہی کہ اسمیں زبانوں کی ترتیب انکی خصوصیات وشتبہات کا خیال کیا جاتا + یہ تعصب کہ عبرانی زبان سب زبانوںکی اصل ہے علامہ متبحر لیب نیٹز نے توڑا - اسنے یہ ثابت کیا کہ عبرانی زبان کا ساری زبانوں کا اصل ہونا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ ڈچ کا کہنا کہ ہماری زبان بہشت میں بولی جائیگی - عبرانی زبان کو سب زبانوں سے اول زبان کہنا ایسا ہی جیسے کہ کسی درخت کی شاخوں کو کہنا کہ یہی سب سے اول شاخیں ہیں یا یہ کہنا کہ کسی ملک میں درختونکی بجاے کٹے ہوئے گدے درخت اگتے ہیں یہ باتیں قوانین فطرت کے برخلاف موجودات عالم کی موزونیت کے برعکس بلکہ خداتعالی کی حکمت ودانائی کے خلاف کب تصور میں آنے کے قابل ہیں غرض اسی حکیم نے زبان کی تحقیق کی راہ میں جو پتھر ایسے جمے پڑے تھے کہ جنپر راہرو ٹھوکریں کھاتے تھے اٹھا کے پھینک دئے اور راہ کو پاک صاف کردیا جو باتیں ٹکرلیں اور اٹکل پچو کہی جاتی تھیں انکو روک دیا اور سائنٹیفک تحقیقات کا باب کھول دیا - اسنے تمام مشنریوں سیاحوں سفیران سلطنت بادشاہوں شہنشاہونکو لکھا کہ وہ زبانونکی تحقیقات کے باب میں اسکی آگاہی فرمائیں چاروں طرف سے اس پاس جواب آنے شروع ہوئے یہانتک کہ چین کے ملک سے بھی کسی صاحب نے چینی زبان کی بابت بہت کچھہ لکھہ بھیجا - یہ چینی زبان اور سب زبانوں میں انوکھی ہے - ۲۶ اکتوبر ۱۷۱۳ء کو پیطر اعظم شہنشاہ روس کو اسنے اپنی عرضداشت بھیجی جسمیں لکھا کہ حضور کی سلطنت میں اور اوسکی سرحد و نیز بہت سی زبانیں ایسی بولی جاتی ہیں جو ابتک نہ تحریر میں آئیں نہ کسی نے ان کے مطالعہ میں غور وتوجہ کی حضور مختلف قوموں پر فرمان روا ہیں اور انکے دل سے بہی خواہ اسلئے ان قوموں کی زبانوں کی ڈکشنریاں یا چھوٹی چھوٹی فرہنگیں بنوائیں اور انمیں احکام عشرہ ونماز کی کتاب کے ترجمے کرائیں جس سے حضور کی شان وشوکت کا اعلان ہو - ان زبانوں کے باہم مقابلہ کرنے سے ان قوموں کی اصل معلوم ہوگی جنکی نسل سیتھیا سے جو آپ کے ماتحت ہے بڑہ کر حضور کے ملک میں آگئی ہے - اس سے بڑہ کر یہ فائدہ ہوگا کہ ان قوموں کے مزرعہ دل میں مذہب عیسوی کا درخت لگایا جائیگا اگرچہ لیب نیٹز زبانونکی سائنٹیفک تقسیم میں کامیاب نہیں ہوا - مگر اسکو یہ یقین تہا کہ کل زبانیں ایک اصل مشترک رکھتی ہیں اور مشرق سے مغرب میں آدمیوں نے نقل مکان کیا ہے - مگر اسکی کوشش کا نتیجہ یہ تہا کہ آیندہ مشنریوں اور پادریوں کو توجہ اس طرف ہوئی کہ جب وہ کسی قوم میں جاتے تو اس کی

زبان کی فرہنگ بناتے اور صرف و نحو مرتب کرتے +

لب نٹیز کے بعد مشنری ہاردیس نے کام کیا کہ زبانوں کی فہرستیں بنائیں اور انکا مطالعہ فلسفیانہ شروع کیا یعنی اس طرح جیسے کہ علوم محققہ کا مطالعہ ہوتا ہے کہ معلومات سے مجہولات کو دریافت کرتے ہیں تحقیقات کا طریقہ سائنٹیفک ہے کہ زمانہ حال میں جو زبانیں کہ بولی جاتی ہیں اور جنپر ہماری رسائی ہو سکتی ہے انکو تحقیق کر کے آپسمیں مقابلہ کرتے ہیں اور یہ دریافت کرتے ہیں کہ کونسی باتوں میں اشتراک رکھتی ہیں اور کونسی باتوں میں افتراق و اختلاف جب امور تحقیق ہو کر فیصل ہو جاتے ہیں تو اس زمانہ حال سے کچھ اوپر کے زمانہ کی زبانوں کی ایسی تحقیقات کرتے ہیں کہ جس سے زبانوں کی اصل اور قرابت رشتہ مندی معلوم ہو۔ پس اسی طرح قدم بقدم تھم تھم کر آگے بڑھتے جاتے ہیں کہ نہایت قدیمی زبانوں تک پہنچ جاتے ہیں جنکی تحلیل سے نتائج یقینیہ حاصل ہو جاتے ہیں +

۱۸۰۰ء میں سپین کی زبان میں ہاردیس نے چھ جلدیں زبانوں کی تہمتوں کی چھاپ دیں۔ گو اس تصنیفات میں پچھلی تحقیقات سے اغلاط معلوم ہوئی ہوں مگر یہ احسان مصنف کا محققین زبان پر ایسا ہی کہ سب پر اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ پیٹر اعظم نے بھی اپنی سلطنت میں جتنی قومیں رہتی تھیں انکی زبانوں کو جمع کر دیا۔ ملکہ کیتھرین کو بھی یہ خیال لب نٹیز کی ہدایتوں سے پیدا ہوا کہ ایک ڈکشنری کل زبانوں کی تصنیف کرائے۔ اس ملکہ نے اپنا بہت سا وقت اسکی تصنیف میں صرف کیا۔ ظاہر ہے کہ جب خود ملکہ کو یہ شوق ہو تو اس کی سلطنت کے عالموں کو کیوں نہ اپنی ملکہ کی تائید کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ کل سفیر جو مختلف سلطنتوں میں رہتے تھے وہ اسطرف متوجہ ہوئے۔ نتیجہ ان سب کی سعی کا یہ ہوا کہ ۱۷۸۷ء میں ایک ڈکشنری مطبوع ہوئی جسمیں ۲۸۵ الفاظ کے معانی یورپ کے اکیاون زبانوں میں اور ایشیا کے انچاس مشرقی زبانوں میں لکھے گئے۔

لب نٹیز نے جو زبانوں کی تحقیقات کا بیج بویا تھا وہ خوب بار در ہوا۔ ہاردیس ملکہ کیتھرین اے ڈڈلنگ کی تصنیفات سے زبانوں کی تقسیم و تنوع کی بنا قائم ہوئی۔ زمانہ حال کی تحقیقاتوں نے ان پرانی تصنیفات کو تقویم پارینہ بنا دیا ہے۔ ان تصنیفات میں بڑا نقص یہ تھا کہ محققین زبان سنسکرت سے ناآشنا تھے۔ اس تحقیقات کی تکمیل سنسکرت ہی سے ہوئی ہے +

(۷) زبان سنسکرت

دنیا کی ساری قوموں میں یہ شرف ہندوستان کے پنڈتوں ہی کو حاصل ہے کہ سب سے اول انہوں نے اپنی زبان سنسکرت کی ویاکرن کو مدون کیا ہے ویاکرن کے معنی تحلیل کے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں انھوں نے اپنی زبان کے سارے شبدوں (لغات) کے دہاتو (مادہ) ۷۰۶ دریافت کئے ہیں جنکو اب یورپ کے محققین گھٹا کے آٹھ سو کہتے ہیں جو ایک سے ایک تصورات سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان مادوں سے صیغوں کے اشتقاق و گردانوں کے قواعد مقرر کئے اور الفاظ کی تقسیم اسم فعل میں کی فاعل مفعول ضمیر۔ حروف روابط وغیرہ کی اصطلاحیں بنائیں جسوقت کہ دنیا میں کسی زبان کی صرف ونحو کا نام نہ تھا اسوقت سنسکرت کی ویاکرن پانینی کی موجود تھی جسمیں زبان سنسکرت کے کل قواعد کلیہ اور خلاف قیاس و شاذ موجود تھے۔

(۸) زبان کا سائنس بننا۔

جب تک اہل یورپ کو زبان سنسکرت پر پورا پورا علم نہ ہوا۔ زبان کو سائنس بننا نصیب نہیں ہوا۔ اہل یورپ کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی امر کی تحقیقات کے درپے ہوتے ہیں تو اس کا پتا پتال تک لگاتے ہیں آج کل انہوں نے غیر زبانوں کی تحقیق کر کے اپنی زبانوں میں ڈکشنریاں بنائی ہیں اور ہر زبان کی گریمر (صرف ونحو) جدا جدا اپنی زبان میں لکھی ہے۔ پھر ان گریمروں میں تشارک و تفاوت تحقیق کیا مثلاً زبان سنسکرت نے اسکا یونانی زبان سے مقابلہ اس طرح انھوں نے کر کے انمیں مشابہت ثابت کی کہ دونوں زبانوں میں ان الفاظ کو لیا جن کا سب زبانوں میں اصلی ہونا ضرور ہے جیسے کہ گنتی۔ اعضاء جسمانی۔ رشتہ داروں کے لئے الفاظ جو ایک زبان والے دوسری زبان سے مستعار نہیں لے سکتے جب تک کہ وہ اپنی دیسی زبان سے متعلق نہ ہوں سو اس قسم کے الفاظ میں نہایت مشابہت پائی سنسکرت میں گنتی کے الفاظ ایک سے دس تک ہیں۔ ایک۔ دوی۔ تری۔ چتر۔ پنچ۔ شٹ۔ ست۔ اشٹ۔ نو۔ دس انہیں کے ہم مخرج الفاظ یونانی زبان میں ہیں۔ پھر بیس تیس چالیس پچاس وغیرہ بنانے کے جو قاعدے سنسکرت میں ہیں وہی یونانی زبان میں ہیں غرض ان دونوں زبانوں کے الفاظ میں تشابہ و گریمروں میں توافق اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں کسی ایک زبان کی بیٹیاں ہیں بجز سنسکرت کو زندہ و

کی زبان سے جسکو ژند کہتے ہیں اس طرح ملایا تو معلوم ہوا کہ وید کی زبان اور ژند کی زبان ایک ہی زبان ہے محققین زبان نے یہ اعجاز کیا ہے کہ زبانوں کے الفاظ کے جوہر و مادے تحقیق کئے اور پھر ان سے مختلف صیغوں کے اشتقاق کے قاعدے دریافت کئے۔ اصل مادوں کی قسمیں مقرر کیں فعل۔ اسم حرف۔ روابط کو خوب تحقیق کیا جب ان جزئیات پر خوب علم حاصل ہو گیا تو پھر زبانوں کی تقسیم و تنوع اسطرح کی کہ جن زبانوں کی گریمروں میں توافق تھا ان کو ہم نسل قرار دیا یعنی انکو یہ مانا کہ وہ کسی ایک زبان سے بیٹے پیدا ہوئی ہیں زبانوں کی تقسیم باعتبار صرف و نحو کے ہوتی ہے۔ اصل زبان وہ خالص زبان سمجھی جاتی ہے جسمیں دوسری زبان کی آمیزش نہ ہو۔ ان زبانوں کی نسلوں کی اولاد دو طرح کی قرار دی ایک زندہ دوسری مُردہ تفصیل ان کی تقسیم کی یہ ہے کہ زبانوں کی ایک نسل آرین ہے جس کی زندہ اولاد ہندوستان کی کل زبانیں فارسی۔ افغانستانی۔ کردستانی۔ آرمینی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ رومی۔ یونانی۔ روسی۔ جرمنی۔ مردہ اولاد یہ ہے پراکرت۔ پالی۔ زمانہ حال کی سنسکرت وید کے زمانہ کی سنسکرت۔ قدیم فارسی۔ پہلوی۔ ژند دوسری نسل سیمٹک ہے جسکی زندہ اولاد یہ ہیں۔ ملک عرب کی کل زبانیں۔ یہودیوں کی زبان۔ مردہ اولاد عہد عتیق کی عبرانی۔ کالدی۔ شامی۔ بابلی وغیرہ تیسری نسل تورانی ہے جسکی زندہ اولاد جاپانی گوری۔ سائی بیری۔ دہندی آذربائیجانی۔ کر ہمیائی۔ اے تولی۔ روہیلی۔ یانیسی۔ مردہ اولاد قالموقی۔

پہلے محققین کی رائے یہ تھی کہ آریا نسل کی ماں سنسکرت ہے مگر اب یہ رائے بدل گئی وہ بجائے ماں کے ہمشیرہ کلاں آریا زبانوں کی کہلاتی ہے۔

پس یوں زبان کے لئے وہ تینوں مراتب طے ہو گئے جو ہر سائنس کے لئے ہونے ضرور ہیں یعنی اول جزئیات کا اجتماع دوم جزئیات کی تقسیم و تنوع اجناس میں سوم استقراء سے احکامات کلیہ۔

(۹) تاریخ سے زبان کے تعلقات۔

کسی ملک کی تاریخ پر علم ہوتا ہے تو اسکی زبان کی نسبت یہ امور تحقیق ہو سکتے ہیں کہ ایک قوم کی زبان کا دوسری قوم کی زبان سے اختلاط کیونکر ہوا اور یہ اختلاط کا زمانہ کب تھا۔ اور کتنے دنوں رہا پھر اس اختلاط کا سبب تجارت تھی۔ یا لڑائی تھی۔ ان دونوں قوموں کے تمدن اور تہذیب کی کیفیت کیا تھی۔ کون محکوم تھی کون حاکم۔ انمیں سے کسنے قوانین۔ آئین۔ مذہب صنائع بنائے

کسی نے زیادہ قومی معلم۔ شاعر۔ عام پسند۔ کامیاب فصحا بلغا پیدا کئے۔ ایک قوم دوسری قوم سے ایسی علیحدہ نہیں رہتی کہ ایک کی زبان میں دوسرے کی زبان کے الفاظ مخلوط نہ ہوں بعض صورتیں ایسی واقع ہوتی ہیں کہ غیر زبانوں کے الفاظ اصلی زبان میں اس کثرت سے مخلوط ہوتے ہیں کہ انکی تعداد اصلی زبان کے لغات سے زیادہ ہو جاتی ہے مثلاً ترکی ایک زبان بولی جاتی ہے اسمیں۔ فارسی عربی لغات کی وہ کثرت ہے کہ تورانی لغات پر غلبہ ہے مگر اسکی صرف و نحو وہی تاتاری اصلی زبان کی صرف و نحو ہے۔

اس ترکی زبان میں عربی فارسی لغات کا ملاؤ۔ مذہبی۔ علمی۔ ملکی کاموں کے سبب سے ہوا ہے اہل عرب کو ایران پر مذہبی اور جنگی فتح حاصل ہوئی تھی مگر اہل ایران کو اہل عرب پر تہذیب کی فتح حاصل ہوئی گو عرب کا محکوم ایران ہو گیا تھا اور اسی کا مذہب اختیار کر لیا تھا مگر اس کے بہت لغات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے۔ ساسانیوں کے عہد میں ایران کی تہذیب بہت بڑھ گئی تھی کہ اسکا اثر اہل عرب پر بھی ہوا تھا عرب کی سیف و ایران کی قلم نے ملکر اسلام کا علم بلند کیا تھا۔ ترکستان میں اسلام ایران میں ہو کر گیا تھا اسلئے ترکوں کی زبان میں عربی فارسی دونوں زبان کے الفاظ نے عمل دخل کیا عربی الفاظ اور محاورے ایرانی لباس پہن کر ترکی زبان میں داخل ہوئے۔ مذہب کی جگہہ دین۔ کافر کی جگہہ گبر صوم کی جگہہ روزہ صلواۃ کی جگہہ نماز بولے گئے الفاظ کا اس طرح داخل ہونا تاریخ تہذیب میں سکوں اور کتابوں سے زیادہ اثر رکھتا ہے۔

تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی وحشی قوم کی زبان کیونکر مہذب ہوئی ہے زبانی یا تحریری نظم سے یا نثر سے یا شاعروں کے کلام کی تدوین سے یا علماء دین کی تلقین سے یا مقرروں کی تقریر سے یا قدیمی زبان کی تاثیر سے +

(۱۰) زبانوں کا متحد الاصل ہونا۔

گویائی انسان کے بجا خود ایک دنیا ہے۔ جیسے زمین پر سیکڑوں قومیں اور قوموں میں ہزاروں قبائل و خاندان اور خاندانوں میں کروڑوں آدمی ہوتے ہیں ایسی ہی گویائی کی دنیا میں سیکڑوں زبانیں (جنکی تعداد قریب نو سو کے معلوم ہوئی ہے) اور ہر زبان میں ہزاروں محاورے اور پھر محاوروں میں لاکھوں لغات ہیں بعض قومیں ایک دوسرے سے بالکل متغائر ہیں بعض قومیں

صورت شکل مشابہت میں قرابت رکھتے ہیں ایسی ہی زبانوں کے بعض گروہ ایک دوسرے سے متباین اور بعض گروہ کے گروہ ایسے پائے جائینگے کہ جو ایک اصل کی فرع یا ایک باپ کی نسل معلوم ہونگی بعض علمائے محققین نے اس امر کو ثابت کرنے میں از حد کوشش بلیغ کی ہے کہ جیسے دنیا کے کل باشندے ایک ہی آدم کی اولاد میں ہیں ایسی ہی کل زبانیں جو دنیا میں بولی جاتی ہیں وہ ایک اصل کی فروع ہیں مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ انسان کے جو فرقے ہم نسل ہوں وہ ہم زبان بھی ہوں۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی نسل کی قومیں مختلف زبانیں بولتی ہیں اور ایک نسل کی قوم اپنے سے غیر نسل کی قوم کی زبان بولتی ہے۔ غرض انسانوں کے انساب کے ساتھ اسکی زبانوں کے انساب کو رشتہ بندی نہیں ہے۔

(۱۱) کل زبانوں کے اصل ہونے کے لئے عہد عتیق کی شہادت پیش کی جاتی ہے کہ اسمیں لکھا ہے خداوند تعالیٰ نے میدان کے ہر ایک جانور اور آسمان کے پرندوں کو زمین سے بنا کر آدم کے پاس پہنچایا کہ دیکھے کہ وہ انکے نام کیا رکھتا سو جو آدم نے ہر ایک جانور کو کہا وہی اسکا نام ٹھہرا اور آدم نے سب مواشیوں اور آسمان کے پرندوں کا نام رکھا۔ بعض محققین کے نزدیک کل زبانوں کے متحد الاصل ہونے کی یہ بڑی شہادت ہے مگر تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امر عہد عتیق کی آیات مذکورہ کے خلاف نہیں ہے کہ انسانوں کی زبانوں آغاز مختلف طرح سے ہوا ہو۔ گو یہودیوں کو یہ اعتقاد مدتہائے دراز تک رہا کہ کل دنیا کی زبان ایک ہی تھی۔ مگر بڑے بڑے علمائے مذہبی نے زبان کی تحقیقات میں بال کی کھال نکال کر یہ ثابت کیا ہے کہ امریکہ کی زبانوں کا آغاز زمانہ حال میں ہوا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کل زبانوں کا سلسلہ سب ایک اصل زبان تک پہنچتا ہے تو بھی اسکی مطابقت عہد عتیق کی آیات سے نہیں ہوتی ان آیات سے وہ تعلقات معلوم ہوتے ہیں جو خدا و انسان و زبان کے درمیان ہیں خدا تعالیٰ نے آدم کو قوت گویائی عطا فرمائی نہ گویائی کہ کوئی ڈکشنری و گرامر اوس کو اچھی طرح پڑھائی ہو زیادہ تر عہد عتیق میں انسان کے انساب کا ذکر ہے زبانوں کے انساب کا بیان نہیں۔ قومیں اپنا نام نہیں بدلتیں مگر اپنی زبانیں بدل ڈالتی ہیں یہ ناممکن ہے کہ عہد عتیق میں جو انسان کا سلسلہ انساب ہے وہ زبانوں کے سلسلہ انساب سے مطابق ہو۔ زبانوں میں لغات کے اشتقاق کے طریقے اور صرف و نحو ایسے آپس میں متخالف و متضاد ہیں کہ کبھی ممکن نہیں کہ سب زبانوں کا ماخذ ایک زبان ہو۔ مثلاً عربی فارسی ممکن نہیں کہ دونو متحد الاصل ہوں یعنی کسی ایک زبان سے دونو

پیدا ہوئی ہوں عربی میں ایک مادے سے صیغوں کا اشتقاق اور طرح سے ہوتا ہے فارسی میں اور
طرح سے عربی زبانیں ایک مادہ سے اسکے اندر کچھ اعراب بدلنے سے حروف کے بڑہانے سے بہت
سے معانی مختلف معروف مجہول متعدی لازمی - ماضی مضارع - ظرف آلہ وغیرہ بنا لیتے ہیں
فارسی زبان میں اور غیر الفاظ اول اور آخر میں لگانے سے مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں مثلاً
عربی میں ماضی معروف فعل سے ماضی مجہول اعراب بدلنے سے فُعِل بنجائیگا اور فارسی زبان میں
ماضی معروف کرد سے ماضی مجہول کردہ شد بنیگا - غرض ہمنے جو اوپر زبانوں کی تقسیم آرین
سیمیٹک و تورانی لکھی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کون کونسی زبانیں اس سے متعلق ہیں انکے لغات کے مادے
اور گرامر ایسی مختلف ہیں کہ ان زبانوں کا متحد الاصل ہونا ممکن ہے وہ کبھی ایک اصل کی فرع
اور ایک باپ کی نسل نہیں ہو سکتیں +

(۳ ا) جن زبانوں میں توافق دیکھتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی اصل کی فرع یا
ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو ان زبانوں کے الفاظ کا دہ گروہ لیتے ہیں جنکے معانی میں ایک امر
مشترک پایا جاتا ہے اور گنتی انکے حروف یکسانی کے ساتھ مشترک پائے جاتے ہیں تو ان سب
لغات کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اصل واحد کی فروع ہیں اور اس اصل کو مادہ یا جوہر لغات کہتے ہیں
پس جب ان زبانوں کے لغات کے مادے معلوم ہو جاتے ہیں تو پھر ان زبانوں کی گرامر دیکھ کر
دیکھتے ہیں کہ ان مادوں سے مختلف صیغوں کے قواعد باہم متحد ہیں یا نہیں اگر اتحاد ہوتا ہے تو
پھر یقین ہوتا ہے کہ زبانیں ایک ہی اصل کی فروع ہیں اس اصول تحقیق کے موافق سنسکرت
یونانی (گریک) - ژند لیٹن وغیرہ زبانوں کو ایک اصل کی فرع ثابت کر کے اسکا نام آرین
زبان رکھا ہے - ان میں لغات کے مادے اور صیغوں کی گردانیں اور اول اور آخر کلمات بڑہانے کے
قواعد متحد ہیں دو زبانوں کے دس پانچ لفظوں کا توافق انکے متحد ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا
لغات کے جو اصل مادے ہوتے ہیں وہ عنصروں کی طرح تحلیل نہیں ہو سکتے - کوئی زبان ایسی نہیں
کہ جسمیں یہ نرے مادے ہی استعمال ہوتے ہوں اور انکے مشتقات نہ مستعمل ہوتے ہوں بعض
مادے ایسے تو ہوتے ہیں کہ وہ خود نہیں مستعمل ہوتے ہیں جیسے کہ سنسکرت میں ایک مادہ دا ہے
جسکے معنی دینے کے ہیں وہ خود تو نہیں مستعمل ہوتا مگر اسکے مشتقات استعمال میں آتے ہیں -

یوں لغات کے مادوں اور جو بہر وں سے اور صیغوں کا مشتق کرنا انسان ہی کی زبان کے ساتھہ مخصوص ہے اور وہ انسان ہی کا کام ہے اور کوئی حیوان نہیں کر سکتا +

فصل سوم زبان کی اصل

(۱) زبان کی تحقیقات +

زبان کی تحقیقات کی جتنی راہیں ہیں اُسکی ابتدائی حصوں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ وہ نظر تو کیا آئیں گی بلکہ تصور میں بھی نہیں آتیں ہم انتہا کی جانب سے اُلٹے ابتدا کی طرف کچھہ منزلیں طے کر کے جہاں پہنچے ہیں وہاں سے آگے ایک قعر ناپید اکنار ہمارے اور مبدء زبان کے درمیان ایسا حائل ہوتا ہے کہ کسی طرح مبدء زبان تک رسائی نہیں ہونے دیتا - ایسی تاریکی بیچ لا ڈالتا ہے کہ کچھہ دکھائی نہیں دیتا - پس اسلئے ناممکن ہے کہ کسی زبان کے کل منازل ابتدا سے طے کر کے اوسکی حالت موجودہ پر آپہونچیں اور از ابتدا تا انتہا تحقیق کر کے اسکا حال بتائیں مگر فطرت انسانی کے اصول جو ہم کو معلوم ہیں اُنکے موافق ہم اتنا بتلا سکتے ہیں کہ زبان کی مختلف کیفیتیں بتدریج کسطرح پیدا ہوئی ہیں جس سے دل کو کسی قدر اطمینان ہو جاتا ہے اور اُس پوچ فلسفہ سے نجات ملجاتی ہے جو علم اخلاق اور علوم طبعیات میں جن مظہرات کو بیان نہیں کر سکتا اونکو معجزات سے منسوب کرتا ہے اور بے سر و پا افسانے بناتا ہے - مادیات اور انسانیت کے مظہرات کی تحقیقات کا اصول یہ ہے کہ اگر ہم ان تمام مراحل اشیا کو جنسے کہ کوئی واقعہ پیش آیا ہے نہیں بیان کر سکتے تو پھر اسکا یہ ثابت کرنا کہ وہ اسباب فطرت اور افعال قدرت سے پیدا ہوا ہے علم تاریخ کے امتحان میں نہایت بکار آمد سود مند و ضروری ہے -

(۲) زبان کی تحقیقات کا تاریخی حال -

ظاہر ہے کہ تاریخ کا آغاز تو جب ہوا ہے کہ اس سے قرنوں اور مدتوں پہلے انسان زبان پر قادر ہو چکا تھا اسلئے زبان کی اصل کی تحقیقات کا سامان تاریخ سے میسر نہیں ہو سکتا یعنی ایک واقعہ نفس الامری کو بقید زمان و مکان نہیں بیان کر سکتے یعنی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کس مقام پر کس وقت پیش آیا - اس معاملہ میں تو زبانی روایات و حکایات و احادیث خاموش ہیں کہ انسان کیونکر پہلے الفاظ اور خیالات پر قادر ہوا - یہ ایک عجیب معما ہے کہ حواس سے جن اشیا کا ادراک ہوا اور آنکھوں میں جو تصویریں بنیں وہ آوازوں میں تحویل ہو کر مظہر و محرک خیالات ہوں - اسمیں کسیقدر غیر متجانس چیزوں کا اتحاد ہوتا ہے

رنگ بدل کر آواز بنے اور آواز بدل کر خیال ہو جائے۔ اس معمی کا حل کرنا ہمارا مقصود ہے۔ اس سے زیادہ کیا دلچسپ مضمون ہو سکتا ہے کہ تاریخوں اور نوشتوں سے یہ معلوم ہو جائے کہ اول آدمی نے جو الفاظ شفوی (یعنی جو ہونٹوں سے نکلتے ہیں) کس طرح ہونٹوں کے عمل سے نکالے ہونگے جسکے سبب سے ہمکو اس کش مکش سے ہمیشہ کے لئے نجات ملتی ہے کہ جو انسان کی زبان کی نسبت مسائل نظری گھڑے گئے ہیں

(۳) وضع زبان کی نسبت خیالات +

علماء دین جو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل زبان خدا تعالی نے بنائی ہے وہ جسم انسانی میں خدا تعالے کی ذات کے حلول کے اندیشہ سے ایک بہاؤ میں کیا بھنور میں پڑتے ہیں اونکو بتفصیل یہ بیان کرنا پڑتا ہے کہ خدا تعالی نے ڈکشنری اور گریمر (لغات صرف و نحو) تصنیف کرکے اول آدم کو اس طرح زبان کو سکھایا جیسے کہ مکتب میں گونگوں بہروں کو اوستاد سکھاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر ان کے سب مقدمات مان لئے جائیں تو سوا اسکے کوئی اور نتیجہ نہیں نکلتا کہ آدم سے پہلے زبان موجود تھی جو اسکو سکھائی گئی مگر اس سے یہ عقدہ مشکل تو حل نہیں ہوا کہ وہ زبان کس طرح بنی تھی۔ یہ عقدہ ایسا مشکل ہے کہ کبھی انسان سے حل ہوا ہی نہ ہوگا۔ بہت سے حکماء کا یہ خیال ہے کہ زبان کو انسان نے وضع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان پہلے پہل کچھ مدت تک خاموشی کی حالت میں رہا اور اعضا کی حرکات اور چہروں کی مختلف ہیئتوں کے بنانے سے اپنے خیالات ایک دوسرے تک پہنچاتا رہا جب ذہن میں تصورات کی افزائش ہوئی اور اونکے اظہار کے لئے اعضا و چہرہ کی حرکات کافی نہ ہوئیں تو مجبوراً اپنے اپنے تصورات کے اظہار کے لئے مصنوعی علامات وضع کیں اور باہم متفق ہو کر اسکے معنی وضع کئے۔ مگر یہ حکماء جو ایسا خیال کرتے ہیں کہ اول آدمی تنہا تنہا اور وہ خاموشی کی حالت سے اس طرح نکلا کہ جو تصورات اسکے ذہن میں آئے اوس کے لئے الفاظ وضع کئے۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ انسان اپنے آپ نطق نہیں پیدا کر سکتا جو ایک ایسی قوت ہے کہ وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے نہ وہ اور حیوانات کو کبھی حاصل ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ اگر حکماء یہ کہیں کہ بچے بے زبان پیدا ہوتے ہیں اور پھر بتدریج بے زبانی کی حالت سے نکل کر زباں دان ہو جاتے ہیں تو اونکا یہ کہنا ہمارے مقصود سے کچھ تعلق ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہمارا مطلب نہیں کہ یہ تحقیق کریں کہ بچے ایسی قابلیتوں کو جو اونکے جسم و روح میں موجود ہیں کس طرح استعمال میں لا سکتے ہیں بلکہ ہمارا اصل مطلب یہ ہے کہ

ہم یہ تحقیق کریں کہ اصل ناطقہ کیا ہے اس مطلب کے لئے ضرور نہیں کہ ہم یہ دریافت کریں کہ بچے اپنی توتلی پوتلی زبان کیونکر بولتے ہیں جب ہم جانوروں میں پر لگے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ وہ کیونکر اڑتے ہیں اُڑنے کا سامان ان پاس موجود نظر آتا ہے۔

(۴) زبان طبعی دریافت کرنے کے تجربے +

بعض بادشاہوں نے اس امر کا تجربہ کیا ہے کہ بچوں کی طبعی زبان کیا ہے۔ اکبر شہنشاہ ہند نے ایک گنگ محل بنوایا۔ اس میں بچے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی بھیجے گئے۔ دائیونکو حکم ہوا کہ وہ دودہ پلائیں مگر کوئی لفظ انکے سامنے نہ بولیں جب یہ بچے پانچ پانچ سات سات برس کے ہوئے تو بادشاہ کے روبرو بلائے گئے تو سوا اشارے اغائیں شائیں کے وہ کچھہ اور نہیں بولتے تھے۔ اسی قسم کا تجربہ بادشاہ مصر نے کیا تہا کہ ایک گڈریہ کو نئے پیدا ہوئے بچے حوالہ کئے اور حکم دیا کہ وہ ایک بھیڑ کا دودہ خود پیا کریں اور کوئی لفظ ان کے کان تک نہ پہونچنے پائے۔ جب بچے بڑے ہوئے تو سوا بھیڑ کے بولی کے کچھہ اور نہ بول سکتے بعض بادشاہوں نے بچونکو گونگی دائیوں کو حوالہ کیا اور کوئی لفظ سننے نہ دیا کہ جس سے معلوم ہو کہ انسان کی ابتدائی زبان یا طبعی زبان کیا ہے۔ ان تجربوں نے ہمارے سوال کے حل کرنے میں کوئی تائید نہیں کی۔ بچے جو بولتے ہیں وہ کوئی زبان نہیں ایجاد کرتے۔ ان کے واسطے پہلے ایک زبان بنی بنائی موجود ہوتی ہے وہ پہلی زبان کو سیکھنے میں اسی طرح سیکھتے ہیں جیسے کہ بڑے ہونے پر دوسری زبان۔ یہ تحقیق کرنا ہے بفائدہ ہے کہ جب بچے تنہا چھوڑ دئے جائیں تو وہ کوئی زبان نئی ایجاد کریں گے۔ یہ امر انکے لئے خلاف فطرت خلاف عقل ہے۔ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر ایک انگریز کا بچہ تن تنہا چھوڑ دیا جائے تو ناممکن ہے کہ اوسکو انگریزی بولنی آجائے۔ تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں کہ کوئی زبان یوں ایجاد ہوئی ہو +

(۵) انسان وحیوان +

اگر پرندوں کے اڑنے کی قوت جو اوسکی ذات کے ساتھہ مخصوص ہے کماحقہ ہم تحقیق کرنی چاہیں تو ہم کو دو باتیں دریافت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ بناوٹ کا مقابلہ ان حیوانات کی بناوٹ سے کریں جن میں یہ قوت اڑنے کی نہیں ہے۔

دوم وہ شرائط دریافت کریں جنکے مطابق یہ اُڑنے کا فعل سرزد ہونا ممکن ہو۔ پس یہی صورت انسان کے نطق کی نسبت ہی کہ جو انسان کی ذات کے ساتھہ مخصوص ہے۔ اور خاص اسی کے سبب سے وہ اور مخلوق میں ممیز ہوتا ہے۔ پس اگر ہم نطق انسانی کی نسبت تحقیق کے درپے ہوں تو ہمکو اول آدمی کا مقابلہ ان حیوانوں سے کرنا چاہیئے کہ جو اسّی حیوانیت میں نہایت قربت رکھتے ہیں اور اس مقابلہ میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان اور حیوانات میں کن باتوں میں اشتراک ہے اور کونسی ایسی باتیں ہیں کہ وہ صرف انسان ہی کی ذات سے مخصوص ہیں جب یہ دو امر تحقیق ہو جائیں تو ان شرائط کا دریافت کرنا چاہیئے کہ جنکے سبب سے نطق ممکن ہوا۔ پس ان کاموں کے بعد ہم اپنا کام جتنا کر سکتے ہیں وہ پورا ہو جائیگا۔ مگر اسکے ساتھہ یہ خیال رہے کہ ہمارے علمی آلات خواہ کیسے ہی عجیب و غریب ہوں۔ مگر جن مقامات میں ہم خیالات کے پر لگا کر اُڑنا چاہتے ہیں انکے واسطے نہایت ضعیف ہیں۔

جب ہم انسان اور حیوانات سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ تحقیق ہوتا ہے کہ بعض حیوانوں میں جسمانی قابلیت تلفظ کی ایسی ہی ہے جیسے کہ آدمی میں کوئی حرف ایسا نہیں کہ جسکا تلفظ آدمی کر سکتا ہو اور طوطا مینا نہ کر سکتے ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ طوطا مینا کوئی نطق ایسا نہیں کہتی یہ ضرور ہوا کہ ہم یہ بتلائیں کہ انسان میں جو قوا ءعقلیہ ہیں وہ طوطی مینا میں نہیں ہیں اسکا بیان نیچے کرتے ہیں +

اول حیوان دیکھتے۔ سُنتے۔ چکھتے۔ سونگھتے۔ چھوتے ہیں یعنی حواس خمسہ رکھتے ہیں اس باب میں حیوان اور انسان درجہ مساوات رکھتے ہیں +

دوم حیوان خوشی و رنج کا ادراک کرتے ہیں جب کسی کو مار دیا پیار کرو۔ تو اسکا حال ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کے بچہ کا مارنے اور پیار کرنے سے ہوتا ہی۔ ان دونوں میں خوشی و رنج کی علامتیں ایک سی ہی پائی جاتی ہیں +

سوم حیوان بھولتے نہیں جسکو حکما کہتے ہیں کہ قوت حافظہ رکھتے ہیں وہ اپنے آقا کو اپنے گھر کو بھولتے نہیں جن آدمی پیار کرتے تھے انکو دیکھہ کر وہ پہچان جاتے ہیں درخشاں ہوتے ہیں

چہارم حیوانوں میں قوت مقابلہ و تمیز ہے۔ ایک طوطا جب درخت میں سے ایک خروٹ

توڑے گا اور وہ ہلکا ہوگا تو اُسے چونچ لگا کے پھینک دیگا - وہ جانتا ہے کہ اسمیں گری نہیں ہے
اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بن گری کے اخروٹ کا مقابلہ گری دار اخروٹ سے کرنا آتا ہے اور
وہ منطق کی شکل اول پر عمل کرتا ہے کہ کل اخروٹ بن گری کے ہلکے ہوتے ہیں اور یہ اخروٹ
ہلکا ہے اسلئے بن گری کا ہے اُسپر چونچ مارنا بیفائدہ ہی - یہاں دیکھو تو کلیت کبریٰ - ایجاب صغریٰ
تکرر حد اوسط سب شرائط موجود ہیں +
پنجم حیوانات اپنا ارادہ رکھتے ہیں جو گھوڑے پر چڑھا ہوگا وہ اس بات کو خوب سمجھا ہوگا
ششم حیوانات شرم و غرور کی علامات دکھلاتے ہیں یہ دونو باتیں وہ شکاری خوب
سمجھتے ہیں جو کتوں سے شکار کھیلا کرتے ہیں کہ جب کتا شکار مار کر شکاری کے روبرو لاتا ہے تو
کیسی اپنی آنکھیں چمکاتا ہے اور جب شکار نہیں ہاتھ آتا ہے تو شکاری کے پکارنے پر
کیسی دم دبا کر اپنے تئیں دبکاتا ہے -
ہفتم حیوانات میں محبت و عداوت ہوتی ہی - بہت سے کُتے اپنے آقاؤں کے دفن میں
انکی قبروں تک ساتھ گئے ہیں اور انکے مرنے کے بعد پھر کسی کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا -
اور اسی رنج و مفارقت میں بھوکے پیاسے مر گئے - بعض جانور دلّے ان آدمیوں سے کہ انکو
ستاتے ہیں مدتوں کے بعد اپنا انتقام لیتے ہیں +
پس ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ حیوانوں میں قوت احساس ادراک - حافظہ ارادہ
عقل ہے - مگر عقل کا لفظ گو انسان اور حیوان دونوں کے لئے بولا جاتا ہے - مگر عقل انسانی
اور ہے اور عقل حیوانی اور ہے - عقل انسانی میں عقل حیوانی داخل ہے - بچہ جو اپنی ماں کا
دودھ پیتا ہے اپنے اعصاب کو کام میں لاتا ہی جنکا چوسنے کے لئے کام میں لانا چاہیے -
اسی عقل حیوانی کا کام ہے جو مکڑی اپنے جالا تننے میں علم مکینک کو اور مکھی اپنے چھتہ بنانے
میں علم ہندسہ کو کام میں لاتی ہے - انسان ان دونو کاموں کو بغیر علم مکینک اور علم ہندسہ
جاننے کے نہیں کرسکتا +

(۶) انسان اور حیوان میں فرق +

اب سوال یہ ہی کہ انسان اور حیوان میں فرق کس بات میں ہے - انسان میں وہ کیا شے ہے

جسکی ابتدائی حالت ونشانی حیوان میں نہ دیکھی جاتی ہو۔ تو اسکا جواب بے تامل یہ زبان سے نکلتا ہے
کہ انسان اور حیوان میں بڑا فرق یہی ہے کہ انسان نطق رکھتا ہے اور حیوان میں نطق نہیں
ہے۔ حیوان کسی طرح نطق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہی ایک امر حق ان حکما کی دلائل کو
باطل کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کے کل قواء کے مبادی حیوان میں موجود ہیں یہ
بخت واتفاق ہے کہ حیوانوں پر انسان اول فتحمند ہو گیا ہے +

اگر نطق کا فقط یہی کام ہوتا کہ ہمارے تصور کو دوسرے آدمیوں تک پہونچا دیتا تو اسے حیوانوں
پر شرف ایسا کیا حاصل ہوتا یہ بات انسان کی ایڑی سے لگا ہوتا۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا
کہ حیوان گو کلمات نہیں بولتے مگر پھر بھی انمیں آپسمیں کچھ باتیں ہوتی ہیں جب ایک چیل کو
مارو تو انکے کل غول میں جو ایک وسعت عظیم میں پھیلا ہوا ہوتا ہے خبر ہو جاتی ہے کہ دشمن سر پر
کھڑا ہے۔ ایک کیڑا لور کن ہوتا ہے جب وہ سکو مردار چھچھوندر مل جاتی ہے تو وہ اپنے چار ساتھیوں
کو خبر کر دیتا ہے اور اونکے ساتھ ملکر کھاتا ہے۔ کتے گو بولنا نہیں جانتے مگر بہت سے کلمات کو وہ
سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے نام کو اور آقاؤں کے بلانے کو فوراً سمجھ جاتے ہیں طوطے آدمی کی بولی
بولتے ہیں اگر زبان کو فقط خارجی علامات مانیں اور ذریعہ اپنے ما فی الضمیر کا اوروں تک
پہونچانے کا جانیں تو انسان کا شرف اور حیوانات پر باعتبار نطق کے چنداں نہیں رہتا۔ مگر جب
نطق کے ساتھ قوائے عقلیہ کا ضمیمہ لگایا جائے تو وہ حیوان سے اشرف اور ممتاز ہوتا ہے۔ یہ عقل
انسانی کا کام ہے کہ وہ جزئیات سے کلیات کو ادراک کرتی ہے عقل حیوانی یہ کام نہیں کرسکتی۔ اور
اس ادراک کلیات کا اظہار نطق ہی سے ہوتا ہے جب انسان اور حیوان کے درمیان نطق ایک
ظاہری تمیز ہو تو نطق کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ ایک خارجی نشانی اور باطنی قوت تجریدیہ کی یا انتزاع
کی ہے جسکا دوسرا مروج نام عقل ہے +

(۷) نطق وعقل لازم ملزوم ہیں یعنی نطق بغیر عقل کے اور عقل بغیر نطق کے نہیں ہو سکتا

عقل اور نطق کے باب میں حکمائے محققین کے تین مذہب ہیں ایک یہ کہتے ہیں کہ عقل اور نطق ایک ہی چیز
ہیں حیوان ناطق کہنا یا حیوان عاقل کہنا ایک ہی بات ہے عقل نفس ناطقہ ہی کا نام ہے ایک ہی

شے کے یہ دو نام رکھنے ہی عبث ہیں اور بیفائدہ بات کا بڑہانا ہے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ نطق وعقل لازم وملزوم ہیں یعنی نطق بغیر عقل کے اور عقل بغیر نطق کے نہیں پائی جاتی تیسرے یہ کہتے ہیں کہ نطق وعقل لازم ملزوم نہیں اگر یہ ہوتا تو گونگے بہرے جنکو نطق نہیں ہوتی عاقل نہیں ہوتے۔ حالانکہ ہم انکو عاقل دیکھتے ہیں مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے جن بہرے گونگوں کو تعلیم نہیں ہوئی وہ دلیل سے استدلال کرنا و مدلول کو ظاہر کرنا یعنی دلائل میں عقل کو کام میں نہیں لاسکتے وہ اس سبب سے کہ عاقلوں کی صحبت میں رہتے ہیں کچھہ نشانیاں عاقل ہونے کی دکہاتے ہیں انکے ذہن میں کلی خیالات پیدا ہوتے ہیں جنکو الفاظ میں بیان کرنیکی قدرت وہ نہیں رکھتے مگر اس سے کچھہ ہمارے مطلب پر اعتراض نہیں وارد ہوتا اسلئے کہ ان گونگے بہروں کی معلوم وہ شے ہوتی ہیں جو اپنے خیالات عامہ کو آواز کو اندر الفاظ کی صورت میں بیان کرنیکی قدرت رکھتی ہیں اسطرح یہ بہرے گونگے اور انکے خیالات عامہ رکھتے ہیں مگر الفاظ سے نہیں بلکہ اور علامات ونشانیوں سے یہ نشانیاں انکی آنکھوں میں وہی کام کرتی ہیں جو آواز ہمارے کان میں کرتی ہے۔ یہ نشانیاں نہ اشیا خود ہوتی ہیں نہ وہ تصورات ہوتے ہیں جنکی علامات الفاظ ہوتے ہیں بلکہ نشانیوں کی نشانیاں ہوتی ہیں جیسے کہ خط ہوتا ہے کہ وہ ہمارے خیالات کی نشانیوں یعنی الفاظ کی نشانی ہوتا ہے یعنی خیالات کی نشانی کی نشانی

اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں گو کل نہیں کہ وہ اپنے ذہن کے اندر خیال و استدلال میں الفاظ کو کام میں لاتے ہیں یعنی دل ہی دل میں باتیں الفاظ میں کیا کرتے ہیں جب ہماری مفہومات الفاظ کے اندر ہمارے ذہن کے اندر آگئے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ ممکن ہے یا نہیں کہ ہم الفاظ کو بغیر مدلول کے اور مدلول کو بغیر الفاظ کے کام میں لائیں یہ ناممکن ہے کہ الفاظ کو بغیر خیال کے استعمال کریں اور خیال کو بغیر الفاظ کے۔ یہہ اور بات ہے کہ جو الفاظ بولیں وہ ہمارے خیال کو صحیح صحیح نہ بیان کریں اور ہم الفاظ بے معانی بولیں سے یہ بولنا ایک صوت بے معنی کا نکالنا ہے یہ ممکن ہے کہ ہم بغیر گویائی کے دیکھیں تصور کریں خواب دیکھیں مگر بغیر الفاظ کے ایک بھی خیال ایسا سیدھا سادہ نہیں کرسکتے جیسے کہ سیاہی وسفیدی کا اگر استدلال کے معنی یہ لئے جائیں کہ ہم عقل کے موافق دلیل کریں تو اسمیں شبہ نہیں کہ ناتعلیم یافتہ گونگے بہرے۔ بچے حیوان استدلال نہیں کرسکتے۔ ایک بچہ بولنے سے پہلے میٹھی و کڑوی چیز میں تمیز کرنے لگتا ہے

یعنی وہ یہ جانتا ہے کہ میٹھی چیز کڑوی نہیں ہوتی اور جب وہ اور بڑا ہوتا ہے اور اوسکو بولنا آجاتا ہے تو وہ یہ جانتا ہے کہ دودھ اور اُسکے اندر جو مٹھائی ہے وہ ایک چیز نہیں ہے۔ وہ مٹھاس کا مزہ لیتا ہے۔ اسے خوش ہوتا ہے۔ اوسکو دوبارہ مانگتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ مٹھاس کیا چیز ہے۔ اسپر وہ کچھہ استدلال نہیں کر سکتا۔ ایک بچہ یہ جانتا ہے کہ ایک غیر آدمی میری ماں نہیں۔ میرے دودھ پینے کی بوتل مارنے کی لکڑی نہیں مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ ایک ہی وقت میں ایک چیز کا ہونا اور نہ ہونا ممکن ہے خلاصہ اوپر کی دفعہ کا یہ ہے کہ نطق عقل لازم ملزوم ہیں۔ مگر اس سارے مباحثے کو ہم یہاں لکھنا مناسب نہیں جانتے۔

(۸) اب اس تحقیق کے درپے ہوتے ہیں کہ انسان کی گویائی کے جو تخم ہیں جنسے کہ لغات کے مادے پیدا ہوتے ہیں وہ انسان کے ذہن میں کس صورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سوال کے حل کرنے کے لئے یہ دو مسائل نظری پیش کئے جاتے ہیں اول یہ کہ حیوانات کی آوازوں اور قدرتی اصوات کی نقل اتارنے سے انسان کے ذہن میں الفاظ کے مادے پیدا ہوتے ہیں دوم اصوات طبیعی سے۔ اٹھارہویں صدی میں مسئلہ اول کی طرف حکمار کا بڑا رجحان اور اب بھی وہ بعض حکمار اکابر کا منظور نظر ہے۔ اب ہم اسکا امتحان تحقیق کے ساتھہ کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ انسان خاموش تھا۔ اسنے پرندوں۔ کتوں۔ گائیوں کی آوازوں کو۔ بادل کی گرجوں سمندر کے غل شوروں جنگل کی سائیں سائیں ندیوں کے پانیوں کی دھل دھلوں کو اور اسی قبیل کی اور چیزوں کی اصوات کو سنا اور ان آوازوں کی نقل اُتاری اور انسے اسکی سمجھہ میں وہ چیزیں آنے لگیں جنسے وہ آوازیں نکلتی تھیں۔ پس اس ترکیب سے اپنی زبان بنالی۔ مثلاً اسنے بکری کو دیکھا کہ اسپر بال سفید و نرم ہیں اور وہ میں میں کرتی ہے۔ باصرہ۔ لامسہ۔ سامعہ نے جو نقش اسکے ذہن میں جمائے۔ ان سب میں سامعہ کا نقش غالب تھا اور وہ بکری کی ایسی صفت ظاہر کرتا تھا جو اسی کی ذات کے ساتھہ مخصوص تھی۔ پس اسلئے اسنے بکری کا نام مِن مِن رکھہ لیا۔ اور فقط لفظ مِن مِن کو سنکر وہ بکری سمجھنے لگا۔ اسی طرح کبوتر کا نام غٹرغوں رکھہ لیا۔ ایسے ہی یہ الفاظ وضع کر لئے جیسے کہ کھٹ کا بیٹا خدا غرغرہ۔ قہقہہ۔ قرقرہ۔ قلقل غلغل وغیرہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کے جمع ہونے سے

کیا ہماری زبان بن سکتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ہر زبان میں اس قسم کی اسم بہت ہی تھوڑے ہیں کہ وہ جانوروں کی آوازوں اور قدرتی اصوات سے بنائی گئی ہوں اگر وہ سب جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹی سی فرہنگ تب ہو۔ ایسے الفاظ زبان کے کھلونے ہیں آلات نہیں ہیں کہ وہ زبان کو بنا دیں بعض علما محققین نے بڑا خون جگر پیا ہے کہ وہ سب ہیچ اور ضروری الفاظ کو انہیں آوازوں کی نقل میں تحویل کر دیں مگر ان کو بالکل ناکامیابی ہوئی اب تک کوئی زبان اس اصول کے موافق نہیں بنی بعض اوقات اس قسم کے الفاظ غیر قوموں کے درمیان واسطہ گفتگو ہوئے ہیں ایک انگریز کسی چینی کے ہاں مہمان تھا جب اوسکے سامنے گوشت کی رکابی آئی تو انگریز نے کہا کہ کوئنک کوئنک (خط خط) یعنی بط کا گوشت ہے چینی نے کہا کہ بھوں بھوں یعنی کتے کا گوشت ہے۔ ایسی باتیں دل بہلانے کے لطیفے ہیں ان سے زبان نہیں بن سکتی۔ اس اصول کا برتاؤ فقط حیوانوں کے چند ناموں میں ہو سکتا ہے مگر حیوانوں کے بھی نام بہت سے ایسے ہیں کہ ان کے ناموں اور انکی بولیوں میں کچھ مناسبت نہیں۔ مثلاً کتے کے لفظ کو بھوں بھوں سے۔ بلی کے لفظ کو میاؤں میاؤں سے۔ بکری کے لفظ کو میں میں سے کبوتر کو غٹر غوں سے کچھ مناسبت نہیں اور سوا ان حیوانات کے اور چیزیں بھی ہیں کہ انکے ناموں کو انکی آوازوں سے مشابہت نہیں بجلی کے لفظ کو کڑک سے ہوا کو سائیں سائیں سے کیا مشابہت ہے۔ اس اصول کے برخلاف بہت سے حکما کی رائے ہے وہ کہتے ہیں کہ اس اصول کا ماننا انسان کو حیوان سے کمتر بنانا ہے۔ انسان کو اسکی ضرورت کیا ہے کہ وہ پرندوں اور مویشیوں سے اس باب میں سبق پڑھے وہ خود رونا چلانا ہائے وائے کرنا۔ قاہ قاہ کرنا پوہ پوہ کرنی۔ اخ اخ کرنا خوف و تکلیف خوشی میں بالطبع آوازیں نکالنی جانتا ہے جب بیمار ہوگا ہائے ہائے کی آواز اوسکے منہ سے بے اختیار نکلے گی۔ یہ اصوات طبیعی اس میں موجود ہیں اسکو ضرورت اور حیوانوں کی آوازوں کی نقل اتارنے کی کیا ہے +

اب دوسرا اصول جو اصوات طبیعی کی نقل سے زبان بننے کا ہے اسکے برخلاف بھی وہ دلائل پیش ہو سکتی ہیں جو اول اصول کی نسبت پیش ہوئیں اس میں شک نہیں کہ ہر زبان میں الفاظ ندا۔ ندبہ اور اور آواز طبیعی سے بعض الفاظ اخذ ہوئے ہیں مگر یہ اصوات تو زبان کی

حواشی ہیں جہاں زبان شروع ہوتی وہاں وہ ختم ہوتے ہیں۔ اصلی لفظ اور اس صوت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کہاں ہنسنا کہاں قاہ قاہ کی آواز۔ کہاں رونا کہاں اسکی آواز۔ یہ کہنا کہ زبان اصوات طبیعی سے بنتی ہے۔ یہ کہنا ہے کہ ہم بھی اسطرح بولتے ہیں جیسے کہ کُتا بھونکتا ہے کہ بھوں بھوں کی آواز بالطبع اُسکے مُنہ سے نکلتی ہے۔ یہ اصوات فقط اسلیئے ہیں کہ انسان اپنا حزن و ملال و مسرت و انبساط اوروں پر ظاہر کرے۔ اصوات طبیعی ہماری زبان کا ایک حصہ ہیں جب ہماری جذبات و خواہشیں وغیرہ ہم کو اپنی طبعی حالت پر لاتی ہیں تو یہ صوت طبعی ہمارے مُنہ سے بے اختیار نکلتی ہیں اور اس وقت وہ ہماری گویائی کو بھلادیتی ہیں اور بعض حالتیں ہم پر ایسی طاری ہوتی ہیں کہ سوا ان مختصر اصوات کے اور الفاظ بولنے کی فرصت نہیں ملتی +

خلاصہ یہ ہے کہ ان دو اصول کے موافق بعض الفاظ بن سکتے ہیں مگر نہ بانیں جو رنگ برنگ کی صدہا طرح کی ہیں وہ انسے نہیں بن سکتیں۔ اِس میں شک نہیں کہ کسی مناسب موقع و محل پر ایک مختصر صوت طبعی ایک طول طویل تقریر سے زیادہ موثر ہو سکتی ہے۔ یہ اصوات طبعی ہمارے دل کی بعض کیفیتوں اور حالتوں کو الفاظ سے کہیں زیادہ اچھی طرح بیان کر سکتی ہیں جب ہم لیے خفیف کسی چیز کو دیکھ کر یوہ یوہ یا چھی چھی کہتے ہیں تو اس صوت طبعی سے جیسی ہماری نفرت قلبی ظاہر ہوتی ہے ایسی کسی لفظ سے نہیں ظاہر ہو سکتی۔ اگر ان دونو اصول مذکور کو مسلّم مان لیں تو پھر کسی چوپایہ و پرند کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطق نہیں کہتا۔ طوطونکو کیا بلکہ اور پرندوں کو بھی جو انسان کی بولی کی نقل اُتارتے ہیں یہ کہنا پڑے گا کہ وہ بھی ناطق ہیں حقیقت حیوان ناطق نہیں ہو سکتا جسکا بیان باب اول میں کیا گیا +



باب سوم فارسی زبان

فصل اول فارسی زبان کا بیان

(۱) باب دوم میں بیان کیا ہی کہ یہ محال ہے کہ اُس زبان کا حال صحیح صحیح از ابتدا تا انتہا بیان ہو سکے جو ایک وسیع قطعات زمین میں ایسے قدیم زمانہ سے بولی جاتی ہو جو یاد سے بھی فراموش ہو گیا ہو - اسکے آغاز کا جو زمانہ ہوتا ہے اُسپر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ اگر ہم اپنی فہم و ذکا کو آفتاب بھی بنا کرلے جائیں تو وہاں اسکی روشنی ذرہ کی برابر بھی کام نہ کرے - مگر علمائے محققین زبان کے لئے ابتدائی زمانہ قرار دیتے ہیں جسسے مُراد انکی یہ ہوتی ہی کہ اس سے پہلے زمانہ کا حال ہم کچھہ نہیں دریافت کر سکتے - پہر زبان کی زمانہ کی ابتدا یوں قرار دیکر اسکا حال اس زمانہ کی آثار قدیمہ سے جیسے کہ عمارات و کتابی سکے - نوشتے - الفاظ ہیں بڑی تدقیق سے تحقیق کرتے ہیں مگر اس تحقیقات سے مقدمات مرتب کرکے جو نتایج وہ نکالتے ہیں اور ان پر اپنی رائیں جماتے ہیں وہ ایسی متضاد و متخالف ہوتی ہیں کہ کوئی امر ایسا ثابت نہیں ہوتا کہ اُسپر یقین کا یا ظن غالب کا حکم لگ سکے - اونیسویں صدی میں تحقیق زبان کی جن راہوں پر مغربی محققین چل رہے ہیں اونپر مشرقی محققین نے کبھی قدم نہیں رکھا - ان راہوں میں چلنے کا اسباب کبھی ان کو میسر نہیں ہوا - ان کی تحقیق کے طریق ہی کچھہ اور تھے - اصول لغات کے باب میں جو تحقیق کا مشرقی طریقہ ہے وہ اس باب میں بیان کرونگا اور فارسی زبان کو اُس کی مثال بناؤنگا - اسکا مقابلہ مغربی تحقیق سے بھی کرونگا طلبہ کا جی جسکو چاہے پسند کرے +

(۲) مشرقی تحقیقات

یہ تحقیقات زیادہ تر میں خان آرزو کی تحقیقات سے کرتا ہوں جسکا خطاب سراج المحققین ہے وہ سب سے اول قدیمی فارسی زبان یعنی ژند کی نسبت لکھتا ہی کہ کتاب اوستا مجوسیوں کے زعم میں کتاب آسمانی ہے کہ اُنکے پیغمبر ابراہیم زردشت پر نازل ہوئی ہے اور ژند اُسکی تفسیر ہے اور پاژند اس تفسیر کی تفسیر ہے وہ بھی زردشت کی تصانیف سے ہی - ان سب کی زبان

پہلوی ثبا(ت) ہے اور لکہتا ہے کہ زردشت نے جو بادشاہ وقت کے نام خط لکہا تہا اسکو ہم نے چشم خود دیکہا ہے اسکی بہی زبان پہلوی تھی۔ اسکے نزدیک زردشت کی تصنیفات کی زبان اصل میں پہلوی تھی جو اب متروک الاستعمال ہے زبان پہلوی کے بعد زبان دری ہے اور زبان دری کے بعد زبان فارسی جو بالفعل متعارف ہے۔

یہ بہی مشرقی علمار نے عجیب لے دہ و پاڈ ہکوسلہ بنایا ہے کہ زردشت کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ بنایا ہے زردشت کی اصل آذر دوست یعنی آگ کا دوست کہتے ہیں۔ نمرود نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تہا تو وہ گلزار ہوگئی تہی۔ یوں آگ نے اونکے۔ اتنہ دوستی کی تہی اسلئے آذر دوست و زردشت ایک ہیں۔ پہر ایک محقق نے لکہا ہے کہ زردشت کی تصنیفات ایسی کثیر تہیں کہ وہ گائے کی بارہ سو کہالوں پر لکہی جاتی تہیں۔

(۳) زبان فارسی ہفت گانہ۔

خان آرزو لکہتا ہے کہ فارسی زبان سات طرح کی ہے چار انمیں سے ہروی (ہرات کی) سگزی (سیستان کی) زابلی (زابلستان کی) سغدی (سغد کی) متروک ہیں کہ انمیں نامہ و کتاب نہیں لکہہ سکتے اگر ان زبانوں میں سے ایک دو کلمہ بیت یا غزل میں لائیں تو روا ہے باقی تین زبانیں متداول ہیں۔ انمیں نامہ و کتاب لکہہ سکتے ہیں اور شعر کہہ سکتے ہیں ایک انمیں فارسی زبان ہے۔ تمام ایران اور توران میں بالفعل اسمیں تکلم اور ترسل جاری ہے۔ ہندوستان میں بہی اسکا تتبع کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں قطعہ قطعہ پر زبان کا لہجہ کہیں کچہہ ہے کہیں کچہہ ہے ایسا ہی حال ایران میں ہے کہ فرو در زمین۔ گیلان خراسان کے ہر ناحیہ و شہر میں لہجہ اور الفاظ متخالف مروج ہیں کاشان میں الف و نون جب برابر آتے ہیں تو الف کو واو سے بدل لیتے ہیں ایسے ہی فتحہ کو ضمہ سے چناں کو چنوں۔ کماں کو کموں۔ شراب کو شُراب اور کباب کو کُباب بروزن حباب بولتے ہیں جس کلمہ میں الف و نون جمع کا آئیگا اُس کو واو پڑہینگے اہل عراق و شیراز نے بہی وضع تکلم بہی اختیار کی۔ دکان کو دکون۔ جان کو جون بولینگے۔ بعض قطعات میں فتحہ کو کسرہ سے بدل لینگے درخت کو درخت کہینگے۔

دوم زبان دری ہے بعض کے نزدیک اس زبان کا نام ہے جسمیں کلمات میں حذف نہیں ہوتا۔

شکم۔ بر۔ کو فرزوں کی جگہہ اشکم۔ ابر۔ بگو۔ افزودن آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دری وہ لغت ہے کہ وہ ان چند شہروں۔ بلخ۔ بخارا۔ سجان۔ میں بولے جاتے تھے ؎

بعض کہتے ہیں کہ اہلِ بدخشاں کی زبان کا نام دری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دری وہ زبان ہے کہ درگاہ کیاں میں بولی جاتی ہے۔ مجدالدین قوسی شوستری کہتا ہے کہ جیسی کبک کی توصیف دری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ درہ کوہ میں رہتا ہے ایسی ہی فارسی کی تعریف دری اسلئے ہوتی ہے کہ وہ درہ کوہ میں بولی جاتی ہے۔ مگر ارباب انصاف پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ دونو نسبتیں بعید از قیاس ہیں اسلئے کہ کبک دری تو کبک کی ایک قسم ہے جسکا جثہ بہت کلاں اور رنگ اسکا اور کبکوں کے رنگ سے بہتر ہوتا ہے اگر کبک کو درہ کے رہنے کے سبب سے کبک دری کہتے تو چاہیے تھا کہ کل کبکوں کو دری کہتے پس فارسی کو اس معنی کر دری کہنا بعید ہے۔ بعض رسالوں میں دری کے معنی برگزیدہ و خالص کے لکھے ہیں۔ اگر یہ معنی ثابت ہوں تو انسب و اولی ہیں اسلئے کہ اس صورت میں دونو کی توصیف ہم معنی ہو جائیگی۔ سب جانتے ہیں کہ ہر شہر میں خاص کر دار السلطنت میں صنف و ہر بلد کے آدمیوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور اس سبب سے شہر کی زبان اور زبانوں سے مخلوط ہوتی ہے۔ قصبات و دیہات اس اختلاط سے یوں محفوظ رہتے ہیں کہ وہاں بیگانوں کا دخل کم ہوتا ہے اسلئے انکی زبان بحالت خود رہتی ہے۔ درہ کوہ کی زبان خالص فارسی ہوگی اسلئے بدخشاں کی زبان کو دری کہتے ہونگے کیونکہ وہ کوہستانی ملک ہے۔ بعض کتب اصول لغت عربی میں لکھا ہے کہ معتبر فصیح زبان عربی وہ ہے کہ اور زبانوں سے آمیختہ نہ ہو۔ اسیواسطے قبائل عرب جو سرحد شام یا ولایت یمن یا حبش کے نزدیک رہتے ہیں انکی زبان پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسلئے کہ بنادر میں تجارت کے سبب سے انکی آمیزش غیر قوموں سے اور انکی زبان کی آمیزش اور غیر زبانوں سے رہتی ہے۔ غرض پاکیزہ زبان وہی کہلاتی ہے جو اپنے دامن پر غیر زبان کے لفظ کو ناپاک دھبہ سمجھے۔ اسلئے خلاف علامہ سیوطی نے مزہر میں لکھا ہے کہ قبائل عرب ہر سال زیارت کعبہ شریف سے مشرف ہوتے تھے۔ اہل مکہ نے انکی زبانوں میں سے محاورات و کلمات عمدہ عمدہ انتخاب کر کے اپنی زبان میں داخل کر لیے۔

اسلئے اونکی زبان گویا قبائل عرب کی زبانوں کا خلاصہ اور عطر بن گئی بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ
دری وہ زبان ہے جو بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی۔

سوم زبان پہلوی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ پہلو پارس کے باپ کا نام تہا۔ یہ زبان اوسکی
زبان سے مستفیض ہوئی ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ پہلو کے معنی منسوب بہ پہلہ ہیں اور پہلہ رے
واسپہان و دنبور کو کہتے ہیں یہاں کی زبان کا نام پہلوی ہے ایک جماعت یہ کہتی ہے
کہ پہلوی اس زبان کو کہتے ہیں کہ پایۂ تخت کیاں کے پہلوان بولیں۔ پہلوی کو پہلوانی
بھی کہتے ہیں پس جب دری اس زبان کو کہینگے کہ پادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی
اور پہلوی اس زبان کو کہیں جو بادشاہوں کے پایہ تخت کے پہلوان بولتے تہے تو
یہ دونو زبانیں ایک ہوئی جاتی ہیں۔ فقط اتنا تفاوت رہتا ہے کہ جس زبان کا نام پہلے
پہلوی تہا اسی کا نام بعد ایک زمانہ گذرنے کے دری ہوگیا۔ اور اس زمانہ کے سبب سے اسکے
تکلم میں کچہہ تغیر ہوگیا۔ حق تحقیق یہ ہے کہ معتبر فارسی وہ ہے جو اردوے بادشاہی کی زبان
بعد اختلاط جماعات متفرقہ کے قرار پائے اسلئے نظم فصحا و نثر بلغا میں اس زبان کے سوا کوئی
اور زبان نہیں ہوتی اگر ہو تو وہ بسبب قلت کے حکم عدم رکھتی ہے۔ سب طرح سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ زبانوں میں افصح زبان اردو ہوتی ہے۔ کسی خاص ملک کی خالص زبان شعر
انشا میں منظور نہیں ہوتی یہی سبب ہے کہ شاعر خواہ کسی ملک کا ہو مثلاً خاقانی شروان کا
نظامی گنجہ کا سنائی غزنین کا۔ خسرو دہلی کا۔ اس مقررہ خاص زبان اردو میں حرف زن ہوتے ہیں

(۴) اب مغربی علمائے محققین کی داستان سنئے کہ وہ زبانوں میں اولیت کا تاج سنسکرت کے سر
رکھتے ہیں اور اسکے بعد دوم ہونے کی کلاہ ژند کے سر پر رکھتے ہیں الوان کتب آسمانی میں وید
کا سنگہاسن صدر میں سجاتے ہیں اور اسکے بعد ژند اوستا کی کرسی بچہاتے ہیں۔ وہ ژند
زبان کی تحقیقات میں کہال کی بال نکالتے ہیں اور حق تحقیق ادا کرتے ہیں اسکی ابتدا اسطرح ہے
ایک فرانسیسی فاضل اینکوئیٹل پرورن تہا۔ اسنے کسی کتب خانہ میں ژند کا ایک ورق پڑہا
جسکے سبب سے اسکو ژند کے مطالعہ کا شوق وہ پیدا ہوا کہ اوسنے جہاز کے کرایہ کی تخفیف کے لئے
اپنا نام فرانسیسی سپاہ میں لکھوایا جو ہندوستان کو آتی تہی۔ وہ یہاں ۱۷۵۲ سے ۱۷۶۱ تک

چھہ برس تک غرضکہ ہندوستان کے مختلف اضلاع میں یہ تار رہا اور زرتشت (زردشت - زوراشتر زردہوش) کی تصنیفات کی تلاش میں سرگرم رہا۔ جہاں کہیں کوئی اسکا پارہ یا ورق ہاتھہ لگا اسکا سبق پارسی دستوروں سے پڑھا مضمون کو دماغ میں کہا اور کتاب کو بغل میں - بعد ازیں اور مقلد اسکے پیدا ہوئے۔ ایک ڈنمارک کا فاضل اجل رسک بمبئی میں آیا - زرتشت کی تصنیفات کے قلمی نسخوں کے بہم پہنچانے کے لیے اپنی گورنمنٹ سے بھی روپیہ کی مدد پاتا رہا ۱۸۲۶ء میں اُسنے ایک مضمون لکھا جسمیں ژند کو بجائے خود ایک اصل زبان ہونا ثابت کیا اور ان تین باتوں سے بحث کی +

اول - ژند ایک جداگانہ زبان ہے یہ نہیں ہے کہ وہ بگڑی ہوئی سنسکرت ہو +

دوم - زمانہ حال کی فارسی زبان کا ماخذ و منبع ژند ہی ہے +

سوم - ژند سکندر کے زمانہ سے پہلے کتابت میں آئی +

پھر برنوف نے اصل ژند کے قلمی نسخے جمع کیے اور اوسکی گریمر (صرف و نحو) کا چربہ بنا۔ اسکی تصنیفات اور یوپ کی تحریرات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کی (ویاکرن) اور لغات سے جیسے ژند کی گریمر اور اوسکے لغات ملتے ہیں ایسے کسی اور زبان سے نہیں ملتے - بہت سے الفاظ ژند میں ایسے ہیں کہ صرف حرفوں کی تبدیل سے انکا ترجمہ سنسکرت میں ہوجاتا ہے سنسکرت کا سا स ژند میں ھ ہوتا ہے - ژند میں ہندوستان کا نام ہپت ہندو آتا ہے - وید میں اسکا نام سپت سندھو آتا ہے یہ نام سات دریاؤں کے سبب سے تھا جنمیں پانچ دریا پنجاب کے اور دو دریا سندھ و سرستی ہیں وید اور ژند میں ایک سے سو تک اعداد کے نام ایک ہی سے ہیں ہندوستان اور ایران ان دونوں ملکوں کے قدیمی زبانیں مذہب میتھولوجی ایسے ملتے جلتے ہیں کہ بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان ہی سے آریا قوم نقل مکان کرکے ایران میں جاکر بسی ہوگی مگر اسکے برعکس محققین کی کثرت رائے ہے طرفین کی وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط قیاس ہی قیاس کے افسانے ہیں اس باب میں ایک محقق نے یہ خوب تشبیہاً بیان کیا ہے کہ وید و ژند اوستا ایک ہی چشمے کے دو دریا ہیں - وید کا دریا بھرپور صاف ستھرا رہا اور اپنی اصلی حالت پر چلتا رہا مگر ژند کا دریا ایسا مکدر اور آلودہ ہوا کہ اوسکا رستہ بدل گیا اور

اپنے سرچشمہ سے ایسا قطع تعلق ہو گیا کہ اوسکا پتا وہاں تک اب نہیں لگتا۔ یہ حال تو ژند اصل زردشتی زبان کا ہے ۔ اب دوسرا زمانہ فارسی زبان کا اکیمینیون کی زبان کا ہے وہ ایسے خط میں لکھی جاتی تھی جسکے حرفوں کی صورتیں تیروں کی سی تکونی تھیں اس خط اور زبان میں دو کتابے ایک پرس پولس (اصطخر) کے کھنڈروں میں اور دوسرا بہستان کی پہاڑیوں میں ہے انکے پڑھنے میں بعض محققین نے بڑا خون جگر پیا۔ اور اوسکو پڑھ کر بہت سی زبانوں کے عقدے کھولے یہ کتابے جب تک پڑھے نہ گئے یہ معلوم ہوتے تھے کہ وہ نازک تیروں مینخوں کا ایک گول ڈھیر لگا ہوا ہے خط کا اوپر گمان ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہی زبان ژنداوستا کی ہے مگر دوسرے زمانہ کی اس زبان کے بعد تیسرا زمانہ زبان ہزوارش کا ہے جسکو پہلوی بھی کہتے وہ مغربی ایران و میڈیا و پارس کی زبان ساسانیوں کے عہد کی ہے جو سنہ ۲۲۶ء تا سنہ ۶۵۱ء تک رہا۔ اس خاندان نے ایران کی سلطنت میں جان ڈالی تھی اور اُس کو پھر بحال کیا۔ اور پھر اپنی قومی زبان کو جو مردہ ہو چلی تھی زندہ کیا۔ اور مغربی اضلاع میں اُسکو چلایا۔ اس زبان میں کتابے حاجی آباد و اصطخر و کرمان شاہ میں اور کتابیں بھی زردشت مذہب کی موجود ہیں کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ کتاب ژنداوستا کی اکثر حصوں کا ترجمہ ہے جنکے نام یاسنا۔ وسپرد۔ وندی داد ہیں اور اصلی کتابیں مذہبی بندہیش۔ شکند گمانی۔ دین کرت۔ آتش بہرام ہیں۔ اس زبان میں سمیٹک زبانوں کے الفاظ بہت مخلوط ہو گئے ہیں جسکے سبب سے اسکی صرف و نحو ژند کی صرف و نحو کی طرح باقاعدہ نہیں رہی اور ان بیگانہ زبانوں کی آمیزش سے اسکی حالت ایک سی نہیں رہی۔ یہ پہلوی زبان حال کی فارسی زبان سے زیادہ اختلاف نہیں رکھتی۔ اسکے بعد چوتھا زمانہ پاژند یا دری کا آیا یہ وہ زمانہ ہے کہ پہلوی زبان بیگانہ زبانوں کے الفاظ کی آلائش سے پاک صاف کی گئی۔ کل الفاظ غیر زبانوں کے خارج کیے گئے اور ٹھیٹھ فارسی زبان کے الفاظ اُنکی جگہ رکھے گئے اور اس خالص زبان کا نام پاژند (دری) رکھا گیا اور اس پاژند ہی سے حال کی فارسی سنہ ۷۰۰ء و سنہ ۱۰۰۰ء کے درمیان بنی۔ یہ پاژند خالص زبان جنوبی مغربی اضلاع ایران کی تھی مغربی محققین نے زبان پارسی جب تک فردوسی کا شاہنامہ نہیں پڑھا جو سنہ ۱۰۰۰ء میں تصنیف ہوا ہے وہ فارسی زبان

محض نا آشنا تھے۔ اوسکو پڑھ کر پھر ایسی تحقیقات کے درپے ہوئے کہ ہزاروں ورق لکھ ڈالے۔ زردشتیوں اخمینیوں و ساسانیوں کی تاریخ تحریر کی۔ ژنداوستا کے پانچ قلمی نسخے موجود ہیں۔ گولڈ صاحب جو پونا کالج میں سنسکرت کے پروفیسر تھے ژندکی گرامر و ڈکشنری بنانے سے لطیفہ لکھی کہ کسی پارسی کو بھی لکھنی نصیب نہیں ہوئی۔

(۵) مسلمانوں کے عہد میں فارسی علم ادب کا بیان +

ساسانیوں کی سلطنت کے تنزل کے بعد زبان پارسی میں بڑا تزلزل آیا۔ عرب کا عجم پر تسلط ہوا۔ اہل عرب کی آب شمشیر نے اہل عجم کے آتش خانوں کی آگ کو ایسا بجھایا کہ پھر انکو روشن ہونا نصیب نہیں ہوا۔ زردشتی مذہب پر اسلام فرمانروا ہوا۔ اکثر اہل ایران نے اسلام قبول کیا۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ اپنے مذہب پر اپنے وطن میں جزیہ دیکر برقرار رہے۔ کچھ دانشور دستور ایسے بھی تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خدا اور رسول کو نہیں مانا۔ جلاء وطن ہونا پسند کیا۔ اپنی کتب مقدسہ و قدیمی نوشتے جو غارت ہونے سے بچے تھے جان و ایمان کے تعویذ بنا کے ساتھ لے نکلے۔ یہ وہی بقیہ کتب مقدسہ ہیں جسکی تحقیق میں مغربی محقق قلم کو جولانیاں دے رہے ہیں یہ ایک آئین قدرت ہے کہ فاتح مفتوح سے جیسا کہ ملک و سلطنت۔ دولت و جان کو دفعتہً کھینچ لیتا ہے۔ ایسا اسکی زبان کو نہیں چھین سکتا۔ مدتوں تک وہ اپنے حال میں رہتی ہے اور بتدریج ایک زمانہ میں تبدیل ہوتی ہے۔ فارسی علم ادب گو سکندر اعظم کے ستم سے برباد ہو چکا تھا۔ مگر ساسانیوں کے خاندان نے پھر اوسکی صورت بنائی تھی۔ مگر اب کی دفعہ اوسکے اوراق ایسے پریشان ہوئے کہ اونکی شیرازہ بندی تو نہ ہوئی مگر اوسنے اپنے تئیں ایک نئی صورت میں دکھایا کہ اسمیں لغات عرب نے فارسی لغات کا سکہ جمایا اور اپنا اثر شروع کیا۔ اہل فارس ریاست سیاست حسن مملکت تدابیر جنگ وضع اشیا فن انشا پاکیزگی اختراع طعام لذیذہ و خوشبو پسندیدہ و لباس خوش قطع میں مشہور و نامور ہمیشہ سے چلے آتے ہیں اونکی زبان کی شیرینی سب کے نزدیک مسلم ہے جب وہ مذہب میں سلطنت میں اہل عرب کے محکوم ہوئے تو انہوں نے حاکموں کی زبان عربی میں وہ ملکہ و استعداد بہم پہنچایا کہ اہل عرب کو بھی پیچھے بٹھایا۔ اگر عربی زبان کی کتابوں کے مصنفوں کی فہرست بنائی جائے۔ تو ہر فن و علم کے مصنفوں کی تعداد

فارسیوں کی زیادہ ہو گی۔ انمیں بڑے بڑے زبردست جید و مستعد عالم فاضل شاعر حکیم فلسفی۔
نحوی۔ صرفی۔ مورخ۔ مفسر۔ محدث ایرانی ہوئے ہیں ادہر عربی زبان میں انہوں نے اپنے کمال
دکھائے اُدہر اپنی زبان کو بھولے نہیں صرف اتنا تصرف اس میں مذہب و سلطنت کی
مجبوری سے انکو کرنا پڑا کہ فارسی الفاظ عربی الفاظ مخلوط کرنے لگے جب کہ ایران پہ علم
اسلام قائم ہوا فارسی علم ادب کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اسکی طرز و طور ہر دور میں ہوا مختلف
ہوتی رہی (سنہ ۹۵۲ء) سب سے اول ابو جعفر عبد اللہ رودکی نے شاعری کی تدوین کی گو بعض
مسلمانوں نے پہلے بھی شعر کہے مگر وہ قلت کے سبب حکم عدم رکھتے ہیں گو یہ شاعر بینائی سے
محروم تھا مگر بادشاہ وقت کی عنایت سے دولت سے معمور تھا۔ دو سو غلام اسکی خدمت کرتے تھے
ایسا پرگو تھا کہ کہتے ہیں کہ تیرہ لاکھ شعر کہے تھے مگر اب کلام بہت ہی کم باقی ہے۔ کلیلہ دمنہ
جسکا ترجمہ نظم میں اُسنے کیا تھا وہ کہیں نہیں ملتا۔ اُسکی طرز گفتگو اور استعمال الفاظ جو تھا وہ اب
متروک ہی (سنہ ۱۰۸۰ء) قابوس ایک دیلمی بادشاہ تھا اُسنے قابوس نامہ لکھا۔ حکیم سنائی نے فارسی
زبان میں ایک دیوان اور تیس ہزار شعر تصنیف کیے حدیقہ سنائی انکی تصنیف سے مشہور کتاب ہے
محمود غزنوی کے زمانہ میں شاعری نے اپنا نیا رنگ دکھایا۔ چار سو شاعر اسکے دربار میں موجود تھے
تیس ہزار قصیدے اسکی تعریف میں لکھے گئے۔ فردوسی۔ عسجدی۔ عنصری مشہور شاعر اسی زمانہ
کے ہیں اس طرز کا رواج اوائل عہد نظامی خاقانی انوری کمال اسمعیل تک رہا۔ پھر ان
شاعروں نے ان کا رنگ بدلا خواجوے کرمانی سعدی شیرازی نے ایک تازہ بنیاد ڈالی ایک
تخلبند شعرا کہلاتا ہے۔ دوسرا ہیمہ سخن۔ پھر اس کے بعد خسرو دہلوی نے ایک ہنگامہ تازہ برپا
کیا اس طوطی شیریں مقال ہندی کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی زبان غزل میں زبان
سعدی کے قریب تھی مثنوی میں خمسہ نظامی سے پنجہ کرتی تھی قصیدہ میں خاقانی سے ملتی تھی۔
بعد اسکے شمس الدین حافظ شیرازی نے شور سخن کو نمک تازہ بنایا۔ پھر دار الملک لفظ و معنی میں
سلطنت کی نوبت مولانا جامی کی پہونچی۔ تھوڑی مدت میں ورق بھی پلٹ گیا قلم ٹوٹ گیا
شعراء شہیدی۔ قمی و حیرتی و عبرتی و عرفی شیرازی و ظہوری و نظیری نیشاپوری فیضی ہندی
نے بابا فغانی کا تتبع کیا۔ انہیں سے نور الدین ظہوری نے نظم و نثر میں ایک طرز اختیار کی جو متاخرین

میں اسکی طرز پر کوئی نہ چل سکا۔ مرزا محمد علی صائب نے عالم سخن اور ہی پیدا کیا اگرچہ بعض اہل ایران کہتے ہیں کہ کلام ابو طالب کلیم کلام صائب پر تفوق و ترجیح رکھتا ہے لیکن دیوان صائب کا منتخب کلیم کے دس دیوانوں کی برابر ہے۔ پھر انکے ہم عصر یا شاگردوں نے جیسے کہ مرزا جلال اسیر شہرستانی اور ملا قاسم شہیدی ہیں اور ہی راہ اختیار کی اور اپنی طرز کا نام طرز خیال رکھا۔ اور ایسے دور کے خیالات میں پڑے کہ اشعار بے معنی ہونے لگے۔ شعراء ہند نے اسیر و قاسم کی طرز کو پسند کر کے کچھ اور ہی رنگ فارسی میں پیدا کیا اور خیالات و عبارات تازہ تراشنے لگے جیسے شاہ ناصر علی و مرزا عبد القادر بیدل ارادت خاں واضح ہوئے جو شاعر ایران سے آئے اونھوں نے دیکھا کہ ہندوستانی زبان کی خوبی و نکات کو سمجھتے نہیں مگر استعارات و تشبیہات کا مذاق رکھتے ہیں اسلئے انہوں نے اپنے کلام میں وہ استعارات و تشبیہات کی افراط کی کہ زبان کی خوبی ان رنگوں میں چھپ گئی۔ شاعری میں علم تصوف نے بھی اپنا بہت تصرف کیا۔ فرید الدین عطار کی کتابیں سنائی کا حدیقہ جلال الدین رومی کی مثنوی سر تا پا مضامین تصوف سے بھری پڑی ہیں عشق مجازی کے سارے سامان می و معشوق و ساقی و بہار کے معنی جدید گھڑ کر عشق حقیقی کی اصطلاحات قرار دی گئیں شاعری کا ڈھنگ ایک نیا کر دیا۔ حافظ شیراز کا کلام اس قسم کی شاعری میں سب پر سبقت لیگیا۔ جو نظم کا حال بیان ہوا وہی نثر کا ہے۔ نثر میں نسبت نظم کے عربی الفاظ کا زیادہ استعمال ہوا۔ بعض فارسی کتابوں میں تو عربی الفاظ ایسے مشکل و متروک مستعمل ہوئے کہ وہ عربی زبان کی کتابوں سے زیادہ مشکل ہو گئیں جیسے کہ وصاف درۂ نادرہ وغیرہ ہیں +

(۶) فارسی زبان کی فضیلت میں روایات واحادیث +

ایرانی مسلمان اپنی فارسی زبان کے باب میں بڑے فخر و مباہات کی روایات واحادیث کو بیان کرتے ہیں فرہنگ جہانگیری کا مصنف ابن فخر الدین انجوئی اور اور مصنف ایرانی لکھتے ہیں کہ عربی زبان کی فصاحت سے کسی اور زبان کو سوا دری کے نسبت دینی گناہ ہے۔ یہہ حدیث ہے کہ اذا اراد اللہ امر فیہ لین اوحی الی الملائکۃ المقربین بالفارسیۃ الدریہ واذا اراد امر فیہ شدۃ اوحی بہ الی الملائکۃ بالعربیۃ الخیریۃ ترجمہ جب خدا کسی نرم کام کے جاری کرنیکا

ارادہ کرتا ہے تو اپنے مقرب فرشتوں کو فارسی دری میں وحی بھیجتا ہے اور جب خدا کسی سخت کام کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتوں کو عربی زبان میں وحی بھیجتا ہے بہشت میں عربی و دری بولی جائے گی۔ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ نے فارسی زبان میں تکلم فرمایا ہے +

فصل دوم

(۱) مشرقی محققین جسطرح زبان والفاظ کا بیان لکھتے ہیں +

امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے کہ ہر معنی کے واسطے لفظ ہو اسلئے کہ جتنے معانی ممکن ہیں اونکا تعقل غیر متناہی ہے اور الفاظ حروف تہجی سے بنتے ہیں اور حروف متناہی ہیں اور متناہی سے متناہی پیدا ہوتا ہے اور متناہی ضبط غیر متناہی کا کر نہیں سکتا اس لئے متناہی مدلولات کی لازم ہوتی ہے۔

(مغربی محققین نے حساب لگایا ہے کہ اگر حروف تہجی ۲۳ یا ۲۴ مقرر کئے جائیں جیسے کہ فارسی یا انگریزی کے حروف تہجی ہیں اور انکی ترتیب جسطرح سے ممکن ہو لگائی جائے تو اتنی ترتیبیں ہوتی ہیں کہ دنیا کی ہر ایک زبان کا ہر ایک لفظ اس میں آجاتا ہے اگر حرفوں کی تعداد ۲۳ قرار دیں تو ۲۵۸۵۲۰۱۶۷۳۸۸۸۴۹۷۶۶۴۰۰۰۰ اور اگر تعداد ۲۴ قرار دیں تو ۶۲۰۴۴۸۴۰۱۷۳۳۲۳۹۴۳۹۳۶۰۰۰۰ آوازیں مرتب ہونگی۔ مگر انمیں سے ہر ایک آواز ان شرائط کو پورا نہیں کرے گی جو لفظ کے کلمہ کے ہونے کے لئے ضرور ہیں کہ وہ مختلف تصورات سے پیدا ہوئے ہوں اور مختلف زبانوں میں مختلف طور سے بیان کئے گئے ہوں)

(ارسطو نے لکھا ہے کہ ہم کسی چیز کے اس بسیط مادہ کو عنصر کہتے ہیں جسسے وہ چیز بنی ہو یعنی کبھی قابل قسمت نہیں ہوتا مثلاً زبان کے عناصر حروف ہیں جنسے وہ پیدا ہوتی ہے اور زبان کی تحلیل ان حروف میں جنسے وہ بنی ہے ہو سکتی ہے مگر حروف کی تحلیل مختلف آوازیں نہیں ہو سکتی اور اگر ہوگی تو اسکے اجزا متجانس ہونگے جیسے کہ پانی کا جزو پانی ہوتا ہے وہ کوئی ہجا نہیں ہوگا)

وضع الفاظ محض ان معانی کے تعقل کے لئے ہوتی ہے جنکی ضرورت زیادہ پڑتی ہے سنسکرت کی زبان میں کوئی لفظ حمام اور تنور کے لئے اسلئے نہیں ہے کہ ان دو چیزوں کی ضرورت ہندوں میں

نہیں پڑتی بھی۔ وہ از روے مذہب دریاؤں پر جاڑے میں نہانے کو توے کے روز دہونے کو واجب جانتے ہیں پہر گرمابہ کی ضرورت کیوں ہونے لگی اور تنور کی حاجت کس لئے وہ تو رض دہویا نہیں جا سکتا +

وضع الفاظ سے غرض افادہ معنی مفردہی تنہا نہیں ہوتی بلکہ افادہ مرکبات اور نسبتوں سے کہ اُنکے درمیان مثل فاعلیۃ و مفعولیۃ وغیرہ ہوں غرض ہوتی ہے۔ موجودات عالم اور اُن کے آپس کے تعلق یا جو حالتیں و کیفیتیں فعل و انفعال سے موجودات پر طاری ہوتی ہیں ہر ایک کا نام کچھ نہ کچھ وضع کیا جاتا ہے جسکو اصطلاح صرف میں اسم کہتے ہیں جیسے۔ زید۔ اسپ۔ علم۔ نور۔ دوڑنا جن الفاظ سے موجودات کی حالتیں اور کیفیتیں زمانہ گذشتہ میں واقع ہو چکیں یا بالفعل زمانہ میں موجود ہیں یا ہو رہی ہیں یا آیندہ ہونگی تعبیر کریں انکو فعل کہتے ہیں جیسے وہ مر گیا وہ مرتا ہے وہ مریگا جو لفظ موجودات کے تعلق پر دلالت کرے اُس کو حرف کہتے ہیں جیسے کہ گھوڑے سے موہن زمین پر گر پڑا +

(۳) قاضی عضد الدین صاحب مواقف نے لکھا ہے کہ کبھی لفظ موضوع ہوتا ہی شخص معین کے واسطے کبھی موضوع ہوتا ہے باعتبار امر عام کے اور وہ اسطرح ہوتا ہی کہ مشخصات میں ایک امر مشترک دیکھا جاتا ہے پہر یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ موضوع ہر ایک مشخصات کے لیے ہے + موضوع کلی ہوتا ہے اور موضوع لہ شخص ہوتا ہے جیسے کہ اسم اشارہ ہی کہ وہ موضوع ہے عام کے واسطے مگر مسماہ اسکا مشخص ہوتا ہے۔ انسان کا موضوع کلی ہے مگر موضوع لہ شخص ہے +

(۴) بعض علماء محققین کا یہ مذہب ہے کہ الفاظ کی دلالت معانی پر محض وضع کے سبب سے ہوتی ہی کہ واضع نے جو چاہا وضع کر دیا بغیر اسکے کہ لفظ و معنی میں کوئی مناسبت طبعی ہو۔ اکثر علماء کا یہی مذہب ہی مگر بعض عالم اسکے خلاف کہتے ہیں کہ لفظ و معنی میں ایک مناسبت طبعی ضرور ہونی چاہی۔ لفظ کے لئے معنی تقاضاء اختصاص کرتے ہیں اگر یہ مناسبت نہو تو واضع کو لفظ کے مقابل معنی وضع کرنے سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہی۔ اول مذہب کی دلیل یہ ہے کہ اگر دلالت لفظ باقتضاء ذات لفظ ہوتی تو قریوں شہروں ملکوں میں اختلاف سخن باقی نہ رہتا ہر شخص ہر لفظ کے معنی ایک ہی سمجھتا لفظ کی ایک معنی کی نقل دوسرے معنی میں محال ہوتی اسواسطے کہ جو شی ذات کے ساتھ لازمی ہو

وہ منفک نہیں ہو سکتی اور کسی لفظ کے دو معانی متضاد بھی نہ ہو سکتے جیسے کہ بیع کے معنی بیچنے مول لینے کے ہیں۔ دوسرے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ حروف ابجد ذات میں مختلف خواص رکھتے ہیں مثل جہر۔ ہمس التہاب۔ رخاوت۔ استعلا۔ تسفل اور ہیات ترکیب کے بھی خواص مختلف ہیں مثلاً فعلان یہ تحریک حرکت پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ خفقان جولان یا فعل بہ تشدید عین خاصئہ مبالغہ کا رکھتا ہے۔ جیسے کسر توڑا کسّر چکنا چور کر ڈالا۔ اگر واضع باوجود ان خواص جاننے کے اس کی رعایت نہ کرے اور تناسب میں اہمال کرے تو حق کلمہ ادا نہیں کرتا۔ ان دونوں فریق کا محاکمہ یہ ہے کہ تناسب ذاتی لفظ و معنی کا فہم معانی کو کفایت نہیں کرتا بلکہ وضع واضع کا فہم معانی میں تناسب کا محتاج الیہ ہے۔ ہر زبان میں تھوڑے ہی الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ لفظ و معانی میں تناسب بتلائیں جیسے لفظ غرغرہ کی صوت سے اسکے معنی یہ ہوجائیں کہ گلے میں پانی کو اسطرح پھرائیں کہ وہ نیچے نہ اتر جائے۔ قرقرہ و قہقہہ وغیرہ ہاں یہ خصوصیت عربی زبان میں ہے کہ الفاظ کے حروف ایکطرح کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً جس کلمہ میں نون اور فے جمع ہونگے وہ دلالت کرینگے معنی خروج پر وجوہ میں سے کسی وجہ پر جیسے۔ نفر نفخ۔ نفح۔ نفد۔ نفث۔ نفذ جس لفظ میں حے اور لام جمع ہونگے وہ دلالت کریں گے معنی شگافتن پر جیسے حلق۔ حلج۔ حلس وغیرہ +

(۴) معرفت لغت۔

لغت کی جمع لغات ہے اور لغت کے معنی اس لفظ کے ہیں کہ جو کسی معنی کے واسطے وضع کیا گیا ہو جیسے خلق کے معنی مخلوق کے لئے جاتے ہیں ایسے ہی لفظ کے معنی ملفوظ کے لئے جاتے ہیں لفظ کے اصلی معنی پھینکنے کے ہیں مگر اصطلاحی معنی اس آواز کے ہیں جو آدمی کے منہ سے نکلے خواہ وہ کسی معنی کے واسطے وضع کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو اگر وہ کی گئی ہو تو اسکو لفظ موضوع کہتے ہیں اگر نہیں تو لفظ مہمل۔ جہاں ہم نے لفظ لکھا ہے وہاں مراد ہماری لفظ موضوع ہی ہے ـــ لغات کی معرفت ہم کو فقط نقل محض سے ہوتی ہے اور اوسپر اعتماد سماع سے ہوتا ہے۔ اب یہ نقل محض تواتر ہوتی ہے یا احاد۔ نقل تواتر یہ ہے کہ وہ ہماری طرف منقول برابر چلی آتی ہے یعنی ہم ہمیشہ ان الفاظ کو سنتے چلے آئے ہیں جیسے کہ فارسی زبان میں الفاظ گفت

شنید۔ کرد۔ برد۔ خورد وغیرہ ہیں نقل احادیہ ہی کہ لغت صرف ایک خاص شخص سے سُنا ہے
پس اگر شخص ایسا معتمد اہل زبان ہے کہ اُسکا کلام مستند ہے تو وہ قابل اعتبار ہوگا۔ سوا ر
نقل محض کے لغات کی معرفت قیاس سے ہی ہوتی ہے۔ اساتذہ قدیم کے کلام میں صدہا الفاظ
متروک الاستعمال ایسے موجود ہیں کہ اُنکے معانی صرف قیاس سے معلوم ہوتے ہیں اہل
زبان انکو بولتے نہیں جو اُنسے معانی اُنکے تحقیق ہوں۔ کتب لغات میں جو معانی انکے
لکھے ہیں وہ قیاسی ہوتے ہیں +

(۵) اختلاف لغات۔

لغات کے الفاظ و معانی میں اختلاف کئی سبب سے ہوتا ہے اول محض نقل کے تواتر میں اختلاف۔
ایک فریق کے پاس ایک لفظ کسی طرح نقل تواتر سے چلا آتا ہے دوسرے کے پاس کسی اور طرح سے
منقول ہے دوم ذات لفظ میں کچھ اختلاف نہیں ہوتا مگر معنی میں اختلاف ہوتا ہے
مثلاً لفظ خدا ہے کوئی اسکے معنی خود آئندہ یعنی واجب الوجود کے بتاتا ہے کوئی اسکے
معنی صاحب کے بتاتا ہے جیسے کدخدا۔ کدبانو۔ ناخدا بعض دفعہ الفاظ میں یہ اختلاف
ہوتا ہے کہ کوئی اس کو کسی زبان کا لفظ بتاتا ہے کوئی کسی زبان کا مثلاً لفظ اللہ ہے
کوئی اس کو عبرانی کہتا ہے کوئی عربی۔ کوئی سُریانی۔
سوم الفاظ کی حرکات و سکنات میں اختلاف ہوتا ہے۔ فتحہ۔ کسرہ۔ ضمہ۔ سکون
حرکت۔ تخفیف تشدید میں ایک دوسری جگہ بولتے ہیں۔
چہارم جب ایک زبان کے لغات دوسری زبان منتقل ہوتے ہیں تو اہل زبان اپنی
زبان کے موافق انمیں تصرف کرتے ہیں اسلئے انمیں اختلاف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف انہی
طرح کے ہوتے ہیں (۱) حرفوں کی حرکات و سکنات کا (۲) حروف کے تبدل کا (۳)
حذف ازدیاد

کیفیت	لفظ
فارسی زبان میں دو طرح سے بولتے ہیں ر پر سکون و زیر گرسنہ۔ گرِسنہ۔	گرسنہ ۔
عربی زبان تین کی طرح شَغَل۔ شُغُل۔ شُغْل +	شغل ۔

صفوۃ - عربی زبان میں کی طرح صَفْوَۃ صِفْوَۃ - صُفْوَۃ میں تین حرکتیں
تشدید و تخفیف میں تغیر الفاظ غم - ہم - قد - حق - کف - خز - ظلو - حمو - ابل - شو - زنوم -
حذف - تمئیز و تمیز و تغئیر و تغیر - امیر و میر و ضرورت ضرور - اجہ و نیم - ابو جہل بوجہل
ابولہب و بولہب +

اختلاف امالہ و بجور جس میں داج کا امالہ و بجو کر دیا -

اختلاف قلب یعنی مکان حروف کا آپس میں لنا جیسے دریوزہ و دروزیہ - خرپوش و خرپیش
ہوشمند و ہشومند - کنار سکران - میان - میام +

ابدال - ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا بسبب قرب مخرج کے - حروف مخصوصہ
فارسی کہ عربی میں نہیں آتے چار ہیں پ چ ژ گ - پ کو شبہ ب و ف
قریب المخرج سے بدل لیتے ہیں +

فہرست مضامین

باب اول - انسان اور اس کی زبان

باب دوم - ۱۳ - ۴۳ -

زبان بھی ایک سائنس ہے

فصل اول بعض تمہیدی مسائل